اپنے مرشد مولانا نور الدین صدیقی سہروردی، اور ان کے مدرسہ "ہدایت بخش" کی تنا دمنت میں لکھا تھا،
مولانا نور الدین گیارہوین صدی ہجری کے گجرات کے بڑے جلیل القدر عالم اور سلسلہ سہروردیہ کے نامور شیخ
تھے، یہ رسالہ کمیاب تھا، عموماً لوگ صرف اس کے نام سے واقف تھے، اس لئے اس کو تصوف کا رسالہ سمجھتے تھے،
ڈاکٹر ظہیر الدین صاحب نے ایک معتبر قلمی نسخہ کی مدد سے اسکی تصحیح کر کے مفید حواشی و تعلیقات کے ساتھ اس کو شایع کیا ہے،
رسالہ کے شروع میں مرتب کے قلم سے گجرات کی قدیم علمی اہمیت پر مختصر تبصرہ ہے اور رسالہ نور المعرفت کا اردو میں خلاصہ دیدیا
ہے جس سے اصل فارسی رسالہ کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اس کے بعد اصل رسالہ ہے، یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے مگر ایک قدیم ادبی یادگار
کی حیثیت سے قابل قدر ہے اور اس سے ولی کی علمی استعداد اور عربی سے انکی واقفیت اور فارسی انشا میں مہارت
کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے، انھوں نے اس میں عربی کی درسی کتابوں کے جو استعارے استعمال کیے ہیں، وہ عربی درسیات
سے ناواقف استعمال نہیں کرسکتا، اس لیئے یہ رسالہ ولی کی عربی دانی کا ناقابل تردید ثبوت ہے،

وہ جو بچ نکلا تالیف الیگزینڈر بارمن تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحات، کاغذ کتابت
وطباعت بہتر، قیمت غیر مجلد عہ مجلد عہر، پتہ: فیروز سنز بک سیلرز نمبر ۶۰ روڈ کراچی، ۶۰ دی
مال لاہور ۵، دی مال پشاور،

اس کتاب کا مصنف ایک پرانا روسی کمیونسٹ ہے، جس نے انقلاب روس اور اس کے بعد سوویٹ یونین کی
بڑی خدمات انجام دیں، اور بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہا، مگر وہ بھی اسٹالن کے استبداد سے نہ بچ سکا، اور اسے
وطن چھوڑ کر امریکہ میں سکونت اختیار کرنا پڑی، اس کتاب میں اس نے اپنی سرگذشت تحریر کی ہے جس میں انقلاب
روس کے زمانہ سے لیکر سنہ ۱۹۴۰ء تک سوویٹ یونین کے جستہ جستہ حالات بھی آگئے ہیں، جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسٹالن
نے اپنی آمریت کے قیام کے لیئے کس طرح رفتہ رفتہ اپنے پرانے ساتھیوں اور سوویٹ یونین کے بڑے بڑے محسنوں کو
ختم کر دیا اور روس ایک ایسا قید خانہ ہے جس میں کوئی فرد بھی آزاد نہیں ہے اور کسی ایسے شخص کی بھی جان محفوظ نہیں
ہے جس پر اسٹالن کو پورا اعتماد نہ ہو خواہ اسکی ملکی و وطنی خدمات کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں،
م

جلد ۷۱ ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۷۲ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۵۳ء عدد ۵

مضامین

شذرات

جامعہ عثمانیہ ہندوستان کی پہلی یونیورسٹی ہے جس کا مقصد ملکی زبان مین مغربی علوم و فنون کی تعلیم کے ساتھ ہندوستان کے مذاہب کی تعلیم اور مشرقی اخلاق و روحانیت کا تحفظ بھی تھا، اس لیئے اس مین شروع ہی سے دینیات کا شعبہ رکھا گیا تھا، جس مین ایک اسلامی سیکشن بھی تھا، اس شعبہ کو اتنی مقبولیت ہوئی کہ جامعہ عثمانیہ سے متعلق جس قدر کالج قائم ہوئے، ان سب مین دینیات کا شعبہ رکھا گیا، مگر انڈین یونین سے ریاست حیدرآباد کے الحاق کے بعد تمام کالجون کے شعبۂ دینیات توڑ دیئے گئے، ان حالات کے پیشِ نظر یونیورسٹی کی فیکلٹی آف تھیالوجی کے ارکان نے خود اس شعبہ کو فیکلٹی آف کلچر سے بدل دیا، اور اس کے مطابق اس کے نصاب مین بھی تبدیلی کر دی، اور اس کے تین سیکشن کر دیئے، ہندوستانی، اسلامی، اور مخلوط، اس طرح اس شعبہ کی حیثیت مذہبی کے بجائے ثقافتی ہو گئی،

ہم کو معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اب اسلامی اور مخلوط سیکشن کو توڑنے کی کوشش کیجا رہی ہے، اور اس مین طلبہ کے داخلہ مین رکاوٹ ڈالی جاتی ہے، انڈین یونین سیکولر حکومت ہے، اس لیئے وہ کسی فرقہ کی مذہبی تعلیم کا انتظام تو نہین کر سکتی، مگر مختلف اقوام و مذاہب کی تہذیب و ثقافت کی تعلیم تو ساری دنیا مین ہوتی ہے، اور اسلامک کلچر اور اسلامک اسٹیڈیز کے شعبے نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیون مین بھی قائم ہین، خود ہندو یونیورسٹی اور شانتی نکیتن تک موجود ہین، جن کا مقصد اسلامی تہذیب و ثقافت کی تعلیم و تحقیق ہے، اس کو مذہب سے چندان تعلق نہین ہے، اس لیئے جامعہ عثمانیہ سے اس شعبہ کو توڑنا نہ صرف تعصب بلکہ علم دشمنی

بھی ہے، ہم کو امید ہو کہ ہندوستان کی وزارتِ تعلیم اسکی جانب توجہ کرے گی،

صوبہ بمبئی کے متعلق یہ علم تو پہلے سے تھا کہ وہان اردو کی حیثیت ہمارے صوبہ سے بہت بہتر ہے، مگر ابھی حال مین انجمن ترقی اردو ہند کے سالانہ جلسہ مین بمبئی کی انجمن کے لائق سکریٹری شہاب الدین صاحب دسنوی نے انجمن کی کارگذاریون کی جو تفصیل بیان کی، اس سے معلوم ہوا کہ صوبہ بمبئی مین اردو کی پرانی حیثیت بدستور قائم ہے، اور تعلیم مین اس کو صوبائی زبانون کے برابر حقوق حاصل ہین، اس کے مقابلہ مین ہمارے صوبہ سے جو اردو کا مرکز ہے، اس کا نام و نشان مٹایا جا رہا ہے، زبان کے معاملہ مین بمبئی کی حکومت کی یہ رواداری اور وسعتِ قلب قابلِ ستائش، اور دوسرے صوبون کے لیئے قابلِ تقلید ہے، کاش ہمارے صوبہ کی حکومت کو بھی اس سے سبق حاصل ہوتا

انجمن ترقی اردو نے اردو علاقائی زبان کی جو مہم اٹھائی تھی، اس کا ایک مرحلہ تو کامیابی کے ساتھ طے ہو گیا، اور اس وقت تک انیس لاکھ سے زیادہ دستخط فراہم ہو چکے ہین، اور اب تقریباً ایک لاکھ کی کسر رہ گئی ہے، مگر ابھی بعض علاقون کے کچھ دستخط باقی رہ گئے ہین، ان کے وصول ہونے کے بعد یہ کمی بھی پوری ہو جائے گی اب وقت کم رہ گیا ہے، اس لیئے اضلاع کے کارکنون کو چاہیئے کہ وہ مئی کے آخر تک باقی ماندہ دستخطون کو بھیجدین تاکہ اصل منزل کی جانب قدم بڑھایا جائے،

برسون کے تعطل کے بعد ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی جدید تشکیل عمل مین آئی ہے، مگر یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس کے بارہ گورنمنٹ کے نامزد کردہ ممبرون مین اکیڈمی کے پرانے رکن رکین ڈاکٹر عبد الستار صدیقی، حیات اللہ انصاری، پنڈت کشن پرشاد کول اور پنڈت سندر لال جیسے لوگون تک کا نام نہین ہے، جو بہت بڑی فروگذاشت

ہے، ابھی چھ نمبر کو اپٹ کئے جائیں گے، اس لیے منتخب شدہ ممبروں کو اس فروگذاشت کی تلافی کی کوشش کرنی چاہیے،

اردو میں مسلمان فلسفیوں کے حالات میں کوئی کتاب نہیں تھی، اس لیے مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے حکمائے اسلام کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے، جس میں دوسری صدی سے لیکر جب سے مسلمانوں میں فلسفہ کا رواج ہوا خاندان خیرآباد و فرنگی محل تک تمام مشہور مسلمان فلاسفہ کے حالات اور ان کے فلسفہ پر تبصرہ ہے، اور کتاب کے مقدمہ میں یونانی اور اسلامی فلسفہ کی مختصر سرگذشت تحریر کی گئی ہے، اس کی پہلی جلد جو پانچویں صدی ہجری تک کے حکماء کے حالات پر مشتمل ہے چھپ کر تیار ہو گئی ہے، اور یقین ہے کہ آئندہ مہینہ میں شایع ہو جائے گی، اس کتاب کے مطالعہ سے اس عام خیال کی بھی تردید ہوگی کہ فلسفہ اور فلسفیوں نے ہمیشہ مذہب کی تخریب اور بیخکنی کی ہے، اور یہ معلوم ہوگا کہ بیشتر مسلمان فلاسفہ نے فلسفہ سے مذہب کی تائید و حمایت کا کام لیا ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد ہے،

آج کل مسلمانوں میں مذہب سے جو لاپروائی اور بے گانگی اور تعلیم یافتہ نوجوانوں میں جو بے دینی اور بدعقیدگی پھیل رہی ہے، اس کے تدارک کے لیے مختلف جماعتیں علمی و عملی جد و جہد کر رہی ہیں، اسی سلسلہ میں چند ندوی اصحاب علم و قلم نے صبح صادق کے نام سے ایک رسالہ نکالا ہے، ہم نے اس کے چند نمبر دیکھے، رسالہ اس مقصد کے لیے مفید اور مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق ہے، اور ان کو اس کی پوری مدد کرنی چاہیے، سالانہ قیمت چار روپئے ہے، مکارم نگر لکھنؤ سے ملے گا،

مقالات

اسلام میں جاگیرداری و زمینداری کا نظام

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

(۳)

زمینداری و جاگیرداری کے متعلق مذاہب فقہا کا بیان

زمین کو نقدین (سونا چاندی) کے عوض اجارہ پر دینا اتفاقاً جائز ہے، فقہاء اربعہ کے درمیان اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور بٹائی پر دینے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ پیداوار کا کوئی جزء معین کر دیا جائے کہ جو کچھ اس زمین سے حاصل ہوگا اس میں سے دس من یا بیس من مالک زمین لے گا، یا وہ فلاں قطعہ کی پیداوار لے گا، یہ صورت بالاتفاق جائز نہیں، اور اگر پیداوار کا کوئی حصہ یا زمین کا قطعہ معین نہ ہو بلکہ جزء شائع (نصف یا ثلث و ربع) پر اجارہ دیا جائے تو اس میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ اس کو بھی ناجائز فرماتے ہیں، اور امام مالک و احمد و ابویوسف و محمد بن حسن رحمہم اللہ جائز کہتے ہیں، امام شافعی کا قول یہ ہے کہ مزارعت کی یہ صورت مساقاۃ کے ساتھ ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں، مساقاۃ باغ کے پھلوں میں ہوتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ باغ والا دوسرے سے کہے کہ تم اس کی خدمت و نگہداشت کرو، اور پھل میں دونوں نصف نصف شریک ہوں گے یا ایک کا تہائی دوسرے کا دو تہائی ہوگا، اس کو امام شافعی جائز کہتے ہیں اور اگر باغ کے ساتھ کچھ زمین قابل

زراعت ہو تو اس کو بھی مساقاۃ کے ساتھ بٹائی پر دینا ان کے نزدیک جائز ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک مساقاۃ (باغون کو بٹائی پر دینا) بھی جائز نہین، مگر دونون مذہبون کا اہل افتا نے اپنے اپنے امام کے خلاف باغات اور زمین کو اس طرح بٹائی پر دینا مطلقاً جائز قرار دیا ہے، جو لوگ باغات اور زمینون کو بٹائی پر دینا جائز کہتے ہین وہ ممانعت کی حدیثون کو دوسری صورت پر محمول کرتے ہین جس کے ناجائز ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور اسکی مخالف بعض حدیثون کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہین، کیونکہ ابتدا سے ہجرت مین مہاجرین افلاس کی حالت مین تھے[1] امام طحاوی نے تمام روایات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرکے صاحبین کے مذہب کو اختیار کیا ہے، اگرچہ عجیب بات ہے کہ حنفیہ کی کتابون مین باب مزارعت کے شروع مین تو یہ کہا جاتا ہے کہ مزارعت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہین، صاحبین کے نزدیک جائز ہے، مگر اس کے بعد جب مزارعت کے فروع کا تذکرہ آتا ہے تو اس مین امام صاحب کے اقوال بیان کیے جاتے ہین، اگر امام صاحب کے نزدیک باب مزارعت سرے سے ہے ہی نہین اور وہ اس کا دروازہ بالکل بند کرچکے ہین تو اس کے فروع مین ان کے اقوال کہان سے آگئے؟ اس کا جواب بعض شراح ہدایہ نے یہ دیا ہے کہ امام صاحب نے ان فروع کا تذکرہ علی سبیل التنزل مزارعت کو صحیح مان کر کیا ہی، مگر ظاہر ہی کہ یہ جواب بہت کمزور ہے، اب یا تو حاوی قدسی کی روایت کو مانا جائے کہ امام صاحب نے زمین کے بٹائی پر دینے کو ناپسند کیا ہی مگر سختی کے ساتھ منع نہین کیا،[2] یا یہ کہا جائے کہ امام صاحب نے سوادِ عراق کی زمینون اور باغات مین مزارعت و مساقاۃ کو منع فرمایا ہے، کیونکہ ان زمینون اور باغات کے بارہ مین اختلاف ہی کہ وہ بیت المال کی ملک ہین یا ان اہل ذمہ کی جن کے قبضہ مین ان کو چھوڑ دیا گیا تھا، اگر بیت المال کی ملک ہین تو ان کا اہل ذمہ سے خریدنا یا خرید کر اجارہ پر دینا جائز نہین کیونکہ وہ مالک نہین تھے، البتہ اگر خلیفہ کی طرف سے کوئی قطعۂ زمین بطور جاگیر کے کسی مسلمان کو دیا گیا ہو تو وہ اس کو بٹائی پر دے سکتا ہے، جب کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علیؓ حضرت

[1] ملاحظہ ہو عرف الشذی جلد ۳ ص ۵۴۴۔

زبیرؓ، حضرت سعدؓ وغیرہ بہت سے صحابہ کو سوادِ عراق کی وہ زمینین دی تھین، جو خاندانِ کسریٰ کی ملکیت تھین اور ان کو اہل ذمہ کے حوالہ نہین کیا گیا تھا[1] اور وہ مسلمانون کو دیدی گئین، جن کو وہ بٹائی پر دیتے تھے اور جو زمینین اہل ذمہ کے قبضہ مین دیدی گئین وہ بیت المال کی ملک تھین، اہل ذمہ ان مین کاشت کرتے اور حکومت کو مقررہ لگان دیتے تھے، کیونکہ سوادِ عراق کا بیشتر حصہ صلح سے نہین بلکہ جنگ سے فتح ہوا تھا، اس لیے مسلمانون نے حضرت عمرؓ سے اس کو مجاہدین پر تقسیم کردینے کا مطالبہ کیا تھا، مگر انھون نے اس خیال سے کہ بعد مین آنے والے مسلمان ان سے محروم نہ رہ جائین تقسیم سے انکار کردیا، و بیت المال کی ملکیت قرار دے کر عام مسلمانون پر وقف کردیا اور امام سفیان ثوری اور دوسرے بعض فقہا کی یہ رائے ہے کہ جب سوادِ عراق کی فتح کے بعد اسکی زمینون کو ان کے پہلے مالکون سے نہین لیا گیا بلکہ ان کے قبضہ مین رہنے دیا گیا تو وہی اس کے مالک قرار پائین گے، اس لیے ان سے خریدنا اور خرید کر بٹائی پر دینا سب جائز ہے[2] اس سے تو غالباً امام ابوحنیفہ کی رائے اس فریق کے موافق ہی جو سوادِ عراق کی زمینون کو بیت المال کی ملک قرار دیتا ہے، اس کے بعد اس کے نزدیک نہ اہل ذمہ سے ان کا خریدنا جائز ہے اور نہ خرید کر بٹائی پر دینا، اور چونکہ اس مین فقہا کا اختلاف ہو جیسا کہ سفیان ثوری کا قول گذر چکا ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ اس کو ناپسند کرتے ہین، مگر سختی کے ساتھ حرام یا ممنوع نہین کہتے تھے، اسی لیے مزارعت کے فروع مین ان کے اقوال بھی صاحبین کے اقوال کے ساتھ نقل کیے جاتے ہین، باقی درہم و دنانیر و روپیہ وغیرہ کے عوض زمین کو اجارہ پر دینا امام صاحب اور ان کے سوا جملہ ائمہ کے نزدیک جائز ہے[3]

مگر ہمارے مقالہ نگار ابن حزم کی تقلید مین اس کو بھی ناجائز قرار دینا چاہتے ہین، اور ابوداؤد و نسائی مین جو حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کو بھی ضعیف بتلاتے ہین، وہ حدیث یہ ہے کہ ملکیت والے اپنے کھیتون کو اس پیداوار کے عوض کرایہ پر دیا کرتے تھے جو پانی کی گول کے

[1] ملاحظہ ہو کتاب الاموال ابو عبید ص ۲۸۲ تا ۲۸۵۔ [2] ایضاً۔ [3] معانی الآثار طحاوی جلد ۲ ص ۲۶۰۔

پاس پیدا ہو، پھر اس میں جھگڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض واقعات پہنچے تو آپ نے اس طرح کرایہ پر دینے سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا

اکروا بالذھب والفضۃ — چاندی سونے کے عوض کرایہ پر دے دیا کرو۔

(جمع الفوائد جلد ۱ ص ۲۵۵)

یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے، ایک سند میں علامہ ابن حزم کے یہاں عبد الملک بن حبیب الاندلسی ہے، جس کے متعلق ان کی جرح یہ ہے ھو ھالک، یہ شخص روایت کے لحاظ سے مردود ہے، دوسری سند میں محمد بن عبد الرحمن ابن ابی لبیبہ ہے، جن کو ابن حزم نے مجہول قرار دیا ہے، مگر مولانا کو ابن حزم کی جرح پہ اعتماد کرنے سے پہلے کتب رجال کا مطالعہ فرما لینا چاہیئے تھا، عبد الملک بن حبیب الاندلسی کو الدیباج المذہب میں ثقہ لکھا ہے، اور کہا ہے کہ لوگوں نے محض حسد کی وجہ سے اس پر جرح کر دی ہے،[۱] اور محمد بن عبد الرحمن بن ابی لبیبہ مجہول نہیں ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ بتلایا ہے، گو ابن معین اور دارقطنی نے کلام کیا ہے، مگر مجہول کسی نے نہیں کہا، اور عبد الملک بن الماجشون کو ابن حزم کا ضعیف کہنا بڑی زیادتی ہے، وہ بڑے فقیہ اور مفتی اہل مدینہ تھے، ان کے متعلق بہت سے لوگوں نے توثیق کے الفاظ کہے ہیں، بعض نے صدوق لہ اوہام کہا ہے کہ وہ بہت سچے ہیں، مگر کچھ وہم بھی ان سے ہوا ہے، اصحاب صحاح نے ان کی حدیثیں روایت کی ہیں، مولانا کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ابن حزم کی جرح کو عام محدثین اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک کوئی دوسرا ان کی تائید میں نہ ہو، اسی لیے بعض علماء نے فرمایا ہے،

من الحزم عدم الاعتماد علی ابن حزم — احتیاط اسی میں ہے کہ ابن حزم پر اعتماد نہ کیا جائے۔

اس حدیث پر کلام کرنے کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ

---

[۱] یہ قید اس لیے لگائی کہ ابو داؤد اور نسائی و طحاوی کی سند میں عبد الملک بن حبیب اندلسی نہیں ہیں ۱۲ ط

بہر حال نقدی بندوبست کے لیے تو خیر ایک دو روائتیں خواہ ان کی نوعیت کچھ ہی ہو، مل بھی جاتی ہیں، تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ بٹائی یعنی نصف یا چوتھائی پیداوار پر بندوبست کرنے کے جواز میں لوگوں کو جب کچھ نہیں ملا تو اب اسے کیا کہیئے کہ جس پر کسی حیثیت سے قیاس درست نہ تھا، یعنی حکومت کی طرف سے کاشتکاروں کو زمین بندوبست کر کے خراج اور ٹیکس جو لگایا جاتا تھا یعنی ریونیو وصول کیا جاتا تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے نخلستانوں اور زرعی زمینوں کو یہودی کاشتکاروں اور باغبانوں کے ساتھ بندوبست کر کے خراج مقاسمہ لگا دیا تھا یعنی بجائے نقدی کے پیداوار ہی کا ایک حصہ خراج میں لیا جائے گا...... اسی کو نظیر بنا کر سمجھ لیا گیا کہ زمین کے مالک زمیندار بھی اپنی زمینوں کو پیداوار ہی کے نصف یا چوتھائی پر کیوں بندوبست نہیں کر سکتے (معارف ص ۹ جنوری ۱۹۵۳ء)

میں مولانا کو بتلاتا ہوں کہ خیبر کے اس معاملہ سے استدلال فقہائے متاخرین ہی نے نہیں بلکہ ان سے پہلے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کیا ہے، چنانچہ ان کو جب رافع بن خدیج کی روایت پہنچی تو جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، وہ ان کے پاس بغرض تحقیق گئے، اور جب انھوں نے حدیث بیان کی کہ

نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء المزارع — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کے اجارہ سے منع فرمایا ہے۔

بخاری میں تو اتنا ہی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے اس پر یہ فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنے کھیتوں کو اس پیداوار کے عوض کرایہ پر دیا کرتے تھے جو پانی کی نالیوں سے قریب پیدا ہو اور کچھ بھوسہ کے عوض، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اجارۂ زمین سے منع فرمایا ہے وہ وہ ہے جس میں شرط فاسد ہو، اور طحاوی کی روایت میں اتنا اور ہے،

قال نافع فجاء (ابن عمر) الی رافع بن — نافع کہتے ہیں کہ رافع کی حدیث سن کر عبد اللہ

خیبر دنا معہ فقال ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی
خیبر یہود علی ان یعملوھا و
یزرعوھا بشطر ما یخرج منھا
(کتاب الزرع معانی الآثار ص ۲۵۰ جلد ۲)

ابن عمرؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین
یہود کو اس صورت سے دی تھی کہ وہ
اس مین کام کرین اور زراعت کرین
بعوض نصف پیداوار کے،

بخاری اور طحاوی کی دونون روایتون کو ملا کر ابن عمرؓ کا جواب اس طرح پورا ہوتا ہے کہ اول تو انھون نے رافع کی حدیث ممانعت کو خاص صورت پر محمول کیا اور بٹائی پر زمین دینے کے جواز کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معاملہ کو دلیل بنایا، جو آپنے یہود خیبر سے کیا تھا، اب آپ ہی فرمائین کہ جب ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملۂ خیبر جواز مزارعت کی دلیل بنا رہا ہو تو یہ کہنا کہان تک درست ہے کہ حضور کا یہ معاملہ خراج مقاسمہ کی قسم سے تھا، مزارعت کی قسم سے نہین تھا، اور ایک کو دوسرے کی نظیر بنانا درست نہین، اور ایک صحابی کو حضور کے فعل کی نوعیت کا علم دوسرون سے یقیناً زیادہ ہوسکتا ہے، جس سے کسی کو بھی انکار کی گنجائش نہین،

پھر مولانا کو اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ جو لوگ امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے باب مزارعت مین معاملۂ خیبر کے متعلق یہ کہتے ہین کہ یہ مزارعت نہ تھی بلکہ خراج مقاسمہ تھا، وہی لوگ باب السیر مین یہ بھی فرماتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو عنوۃً (جنگ سے) فتح کیا تھا اور غانمین کے درمیان تقسیم فرمادیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ جو ملک جنگ سے فتح ہو اس کو غانمین کے درمیان تقسیم کر دینے کا بھی امام کو حق ہے، جب خیبر کا غانمین مین تقسیم کیا جانا تسلیم کر لیا گیا تو اس کی اراضی غانمین کی ملک ہوگئین اور بیت المال کی نذر ہین، ایسی حالت مین ان اراضی کا نصف پیداوار کے عوض یہود خیبر کے حوالہ کیا جانا مزارعت ہی مین داخل ہوسکتا ہے، خراج مقاسمت کیسے ہوگا؟ اراضی خیبر کا غانمین کی ملک ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی مین اس کا ایک قطعہ جس کا نام ثمغ تھا، اور جو ان کے نزدیک بہت زرخیز تھا حضور کے مشورہ سے وقف کر دیا تھا جیسا کہ جملہ کتب صحاح مین اس کا ذکر موجود ہے[1]

عن ابن عمر قال اصاب عمر ارضا
بخیبر فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال
یا رسول اللہ اصبت ارضا بخیبر
لم اصب مالا قط انفس عندی
منہ فکیف تامرنی بہ؟ فقال ان
شئت حبست اصلھا وتصدقت
بھا فتصدق بھا عمر انہا لا یباع
اصلھا ولا یوھب ولا یورث
الحدیث
(المسند الامام مالک)

عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہین کہ حضرت عمرؓ نے
خیبر مین ایک زمین پائی تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور
کہا یا رسول اللہ مین نے خیبر مین ایسی زمین
پائی ہے جس سے عمدہ تر مال مین نے کبھی نہین
پایا، آپ اس کے متعلق مجھے کیا مشورہ دیتے
ہین؟ آپنے فرمایا اگر تم چاہو تو اس کی اصل
کو روک کر دو (منافع کو) صدقہ کر دو (یعنی وقف
کردو) چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو اس طرح
وقف کر دیا کہ اس کو بیع نہ کیا جائے نہ کسی
کو ہبہ کیا جائے، نہ میراث مین تقسیم کیا
جائے (پوری حدیث مین مصارف وقف
کا بھی ذکر ہے، اس لیے امام مالکؒ کے سوا
جملہ اصحاب ستہ نے روایت کیا ہے

ظاہر ہے کہ وقف زمین مملوک ہی کا ہو سکتا ہے، بیت المال کی زمین کو رسول کی زندگی ہی مین حضرت عمرؓ کیسے وقف کر سکتے تھے؟

[1] ملاحظہ ہو جمع الفوائد جلد اول ص ۲۶۲،

پھر جب بعض صحابہ نے سوادِ عراق وغیرہ کو غانمین مین تقسیم کر دینے کا حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا اور تقسیم خیبر مین حضور کے فعل کو دلیل بنایا تو انھون نے فرمایا

اما والذی نفسی بیدہ لولا ان اترک آخر الناس ببانا لیس لہم من شیٔ ما فتحت علی قریۃ الا قسمتہا کما قسم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیبر ولکنی اترکہا خزانۃ لہم یقتسمونہا (رواہ ابی داؤد والبخاری بلفظہ ج ۱ ص ۲۶۳ جمع الفوائد)

قسم اس کی جس کے قبضہ مین میری جان ہے، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مین پچھلے آنے والے مسلمانون کو خالی چھوڑ دون گا اور ان کے پاس کچھ بھی نہ رہ جائے تو جو بستی بھی میرے سامنے فتح ہوتی مین اس کو اسی طرح تقسیم کر دیتا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا تھا لیکن مین ان زمینون کو سب مسلمانون کے لیے خزانہ کر کے چھوڑنا چاہتا ہون، کہ وہ ہمیشہ اس کو باہم تقسیم کرتے رہین، کہ کوئی محروم نہ رہ جائے (ابوداؤد و بخاری اور یہ الفاظ بخاری کے ہین،

کتاب الاموال لابی عبید مین ہے،

قال ابو عبید وجدنا الآثار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء بعدہ قد جاءت فی افتتاح الارضین بثلاثۃ

ابو عبید فرماتے ہین کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء (راشدین) کے آثار کو دیکھا تو ان مین مفتوحہ زمینون کے متعلق تین قسم کے احکام

احکام، ارض اسلم علیہا اہلہا فہی لہم ملک ایمانہم وارض افتتحت صلحا علی خرج معلوم فہم علی ما صولحوا علیہ لا یلزمہم اکثر منہ وارض اخذت عنوۃ فہی التی اختلف فیہا المسلمون فقال بعضہم سبیلہا سبیل الغنیمۃ فتخمس وتقسم فیکون اربعۃ اخماسہا خططا بین الذین افتتحوہا خاصۃ ویکون الخمس الباقی لمن سمی اللہ تعالیٰ وقال بعضہم بل حکمہا والنظر فیہا الی الامام ان رأی ان یجعلہا غنیمۃ فیخمسہا ویقسمہا کما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیبر فذلک لہ وان رأی ان یجعلہا فیئا فلا یخمسہا ولا یقسمہا ولکن تکون موقوفۃ علی المسلمین عامۃ ما بقوا کما

پائے، ایک تو وہ زمین ہے، جس کے باشندے مسلمان ہوگئے (جہاد کی نوبت نہین آئی) اس صورت مین اُن کی زمینین ان ہی کی ملک ہون گی، ایک وہ زمین ہے، جس کے باشندون سے مقررہ خراج پر صلح ہوگئی ہے، تو ان سے اسی قدر لیا جائے گا، اس سے زیادہ ان سے نہ لیا جائے گا، ایک وہ زمین ہے جو لڑائی کے ذریعہ فتح ہوئی ہے اس کے بارہ مین علمائے اسلام کا اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہین کہ اس کا حکم مال غنیمت جیسا ہے، اس کے پانچ حصے کیے جائین اور غانمین مین تقسیم کر دی جائے، چار حصے خطوط و حدود کے ساتھ ان لوگون مین تقسیم کر دیے جائین جنھون نے اس زمین کو فتح کیا ہے اور باقی پانچوان حصہ ان لوگون کا ہے جن کو نام بنام اللہ تعالیٰ نے (سورۃ الانفال مین) بیان کیا ہے، بعض علماء کہتے ہین کہ

صنع عمر بالسواد فعل ذلك (ص ٥٥) قلت وھذا ھو مذھب سفیان وابی حنیفة)

اس کا فیصلہ امام کی رائے پر ہے، اگر وہ اس کو مالِ غنیمت کی طرح تقسیم کرنا چاہے تو پانچواں حصہ بیت المال کا نکال کر باقی کو تقسیم کردے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا اور اگر یہ رائے ہو کہ اس کو فیئی قرار دے کر بیت المال کے لئے رکھے تو اس کے نہ پانچ حصے کرے اور نہ غانمین میں اس کو تقسیم کرے بلکہ عام مسلمانوں پر ہمیشہ کو وقف کردے، جیسا حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق میں کیا تھا تو ایسا کردے، میرے نزدیک سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے،

کتاب الاموال لابی عبید کے اس باب کو دیکھنے سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ نے جب مصر و شام کی زمینوں کو غانمین میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عمل کو دلیل میں پیش کیا تھا کہ حضورؐ نے خیبر کے پانچ حصے کرکے ایک حصہ بیت المال کا رکھا، باقی چار حصے مجاہدین فاتحین پر تقسیم کر دیئے تھے، اسی طرح سوادِ عراق اور مصر و شام کی زمینوں کو بھی فاتحین پر تقسیم کر دیا جائے، اور جب خیبر کے چار حصے غانمین کی ملک ہو گئے تو ان کا یہودیوں کو آدھی پیداوار کے عوض دینا مزارعت ہوگا یا خراجِ مقاسمت؟

اگر مولانا یہ دعویٰ کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ خیبر سے عام مسلمانوں کے حصوں میں

کوئی معاملہ نہیں کیا، بلکہ صرف خمس (یا پانچواں حصہ) میں معاملہ کیا تھا جو بیت المال کا حق تھا، تو اول تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، اور اگر اس کو بھی مان لیا جائے تو وہ خمس بھی یہودِ خیبر کی ملک نہ تھا، اور جب ان کی ملک نہ تھا تو پھر خراجِ مقاسمت کی گنجایش نہیں رہتی، خراجِ مقاسمت اس وقت ہوتا ہے جب کہ زمین کے مالک اہل ذمہ ہوں اور حکومت کی طرف سے اس پر لگان مقرر کیا جائے، پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خمس میں حضور کا بھی حصہ ہوتا تھا، اور آپ کے قرابت داروں کا بھی، اس لئے سوال یہ ہے کہ حضور نے نصف پیداوار کے عوض یہودِ خیبر کو جو دیا تھا وہ مزارعت تھی یا خراجِ مقاسمت؟

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضور نے اپنا حصہ نصف پیداوار پر معاملہ کرکے یہودِ خیبر کو دیا تھا، چنانچہ بخاری میں ہے[1]،

عن نافع ان عبداللہ بن عمرؓ اخبرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عامل اھل خیبر بشطر ما یخرج منھا من زرع او ثمر وکان یعطی ازواجہ مأة وسقٍ ثمانون وسق تمر وعشرون وسق شعیر وقسم عمر خیبر ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقطع لھن من الماء والارض او یمضی لھن فمنھن

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر سے زمین کی آدھی پیداوار پر معاملہ کیا تھا، خواہ کھیت کی پیداوار ہو یا نخلستان کی اور آپ اپنی بیبیوں کو ہر سال سَو وسق دیا کرتے تھے (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، ۲ من سے کچھ زیادہ) اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جو اور (یہود کو جلاوطن کرنے کے بعد) حضرت

[1] بخاری جلد اول ص ٣١٣

من اختار الارض ومنهن من اختار الوسق وكانت عائشة ممن اختارت الارض اھ

عمرؓ نے خیبر کو (مسلمانون) پر تقسیم کر دیا اور حضور کی ازواج کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہین تو اُن کو زمین کا قطعہ اور پانی دیدیا جائے یا جتنے وسق لیا کرتی تھین وہ لیتی رہین تو بعض نے زمین کو پسند کیا اور بعض نے وسق کو پسند کیا، حضرت عائشہؓ نے زمین کو پسند کیا تھا؛

حاشیہ بخاری مین اس جگہ عینی اور کرمانی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:-

قالوا معاملته رسول الله صلى الله عليه وسلم مع اهل خيبر كان برضاء الغانمين فلما اخذها عمر من اليهود حين اجلاهم قسمها بين المستحقين وسلمه اليهم اھ

علماء کہتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا وہ غانمین کی رضامندی سے کیا تھا جب حضرت عمرؓ نے خیبر کو یہود سے لیا اور ان کو وہان سے جلاوطن کر دیا تو اس کو مستحقین مین تقسیم کر کے ان کے حوالہ کر دیا،

اس پوری تفصیل پر نظر کرنے کے بعد یہ کہنا کسی طرح درست نہین کہ یہود کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا وہ خراج مقاسمت کی قبیل سے تھا بلکہ یہ ماننا پڑے گا کہ خیبر کا علاقہ غانمین کی ملک ہو گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رضامندی سے یہود کے ساتھ نصف پیداوار کے عوض مزارعت و مساقات کی تھی مگر ہمارے مقالہ نگار ان تمام تفاصیل سے آنکھین بند کر کے فرماتے ہین کہ

بٹائی یعنی نصف یا چوتھائی پیداوار پر بندوبست کرنے کے جواز مین لوگون کو جب کچھ نہین ملا تو اب اسے کیا کیجئے کہ جس پر کسی حیثیت سے قیاس درست نہ تھا، یعنی حکومت کی طرف سے کاشتکارون کو زمین کا بندوبست کر کے خراج اور ٹیکس جو لگایا جاتا تھا یعنی ریونیو وصول کیا جاتا تھا...... اسی کو نظیر بنا کر سمجھ لیا گیا کہ زمین کے مالک زمیندار بھی اپنی زمین کی پیداوار کے نصف یا تہائی چوتھائی پر کیون بندوبست نہین کر سکتے،

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہود خیبر کے ساتھ مزارعت اور مساقات کے ساتھ کچھ نہ تھا، واقعہ کی تفصیل پر نظر کرنے والا اس کو خراج مقاسمت مین کبھی داخل نہین کر سکتا، خود حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا حضرت رافعؓ سے ممانعت کی حدیث سننے کے بعد بھی حضور کے اس معاملہ کو اپنی دلیل مین پیش کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ یہ خراج مقاسمت نہ تھا بلکہ مزارعت تھی،

اس کے بعد مولانا نے لفظ مخابرۃ کی لفظی تحقیق مین چند ورق سیاہ کر کے خیبر سے اس کی مناسبت دکھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ

مخابرت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمایہ داری کا وہی زہر نظر آ رہا تھا جو ربا اور سود کا مخصوص زہر ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ حکومت اور زمین کے حقیقی آبادکارون کے درمیان سے بجر قبضہ کرنے والے متغلبین و متسلطین کا نکال باہر کرنا بھی اس جنگی کشمکش کا بقول شاہ ولی اللہ واقعی المقصد الصین تھا، جو ایران و روم کی بادشاہتون سے کی گئی تھی یہی نقطۂ نظر خیبر کی قلعہ کشائی مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ تھا؟"

یہ نقطۂ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا یا نہین اس کی خبر تو خدا کو ہے مگر آپ نے زمین خیبر کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے وہ تو یہی ہے کہ اس کو غانمین کے درمیان تقسیم کر کے آبادکارون کو

نصف پیداوار کے عوض دیدیا گیا، اور زمینوں کو حکومت اور زمینداروں کے درمیان رکھکر زمین کا مالک بنا دیا گیا تھا، اسی کا نام مزارعت ہے اور اسی کو زمینداری کہا جاتا ہے، یہ وہ مخابرہ ہرگز نہیں ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من لم یذر المخابرة فلیأذن بحرب من اللہ ورسوله

جو مخابرہ کے معاملہ کو نہ چھوڑے گا اس کو اللہ اور رسول سے جنگ کے لیے تیار رہنا چاہیے

اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو دس بیس من غلہ دیکر اس کا کھڑا کھیت خرید لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حدیث میں مخابرہ سے منع فرمایا ہے، اسی میں مزابنہ سے بھی منع فرمایا ہے، اور مزابنہ کی صورت بالاتفاق یہی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کھجوروں کی ایک مقدار دیکر اس کا لدا ہوا پورا باغ خرید لے، اس کا ربا ہونا ظاہر ہے، اگر یہی صورت مخابرہ کی ہو تو وہ بھی ربا ہے ورنہ نہیں۔ معانی الآثار طحاوی میں ہے

ذکروا لاحادیث النبی عن المخابرة والمزابنة عن جابر رضی اللہ عنه وفسرها بعض الرواة بان المخابرة علی الثلث والربع والنصف من بیاض الارض، ثم قال اما ما ذکرتم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نهیه عن المحاقلة والمخابرة فقد صدقتم واما تاویلکم ایاه علی انه المزارعة بالثلث والربع فهذا تاویل منکم لیس عندکم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک دلیل ویحتمل ان یکون کما قال مخالفکم انه بیع الحنطة کیلا بحنطة هذا الحقل الذی زرعه کیله فذلک فاسد اتفاقا وهذا اشبه بذلک لانه مقرون بالمزابنة وهی بیع التمر المکیل بما فی رؤس النخل من التمر

(جلد ۲ ص ۲۶)

اول انھوں نے حضرت جابرؓ کی حدیث بیان کی، جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ و محاقلہ و مزابنہ سے منع فرمایا ہے، اور بعض راویوں نے مخابرہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ خالی زمین کو تہائی، چوتھائی اور نصف پیداوار کے عوض کرایہ پر دینا مخابرہ ہے، اس پر طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخابرہ و محاقلہ سے منع فرمانا تو صحیح ہے، مگر اس کی جو تفسیر تم کرتے ہو وہ تمھاری تاویل ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں، ہو سکتا ہے کہ اس کی تفسیر وہ ہو جو تمھارا مخالف کرتا ہے یعنی مخابرہ یہ ہے کہ گیہوں ناپ تول کر اس گیہوں کے عوض بیع کیا جائے جو کھڑے کھیت میں ہے جس کی مقدار ابھی معلوم نہیں اور یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، اور یہ تفسیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ مخابرہ کو حدیث میں مزابنہ کے ساتھ ملایا گیا ہے اور مزابنہ کے معنی یہی ہیں کہ کھجوروں کو ناپ تول کر ان کھجوروں کے عوض بیع کیا جائے جو درختوں پر لدی ہوئی ہیں۔ اھ

اوپر مذاہب فقہاء کی تفصیل میں یہ بتلایا جا چکا ہے کہ مالک زمین کا اپنی زمین کو نصف یا تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض دوسرے کو بٹائی پر دینا جمہور علمائے امت کے نزدیک جائز ہے، اس کو مخابرہ محرمہ میں داخل کرنا کسی طرح درست نہیں، مخابرہ کی حرمت سے کسی کو انکار نہیں، مگر جمہور کے نزدیک اس کی تفسیر

وہی ہے، جو امام طحاوی نے بیان فرمائی ہے، اس کے بعد مولانا نے یہود کی سرمایہ داری اور عرب کی ناداری کا ذکر کرکے یہ دعوی کیا ہے کہ "بہر حال مخابرہ یعنی خیبر کے سرمایہ دار یہود نے زمیندارانہ طریقوں سے زمینوں کے بندوبست کرنے کی رسم سے عرب کو آشنا کیا تھا" مگر وہ اس کو بھول جاتے ہیں کہ عرب میں مکہ کے قریب ہی طائف بڑا زرخیز علاقہ تھا اور وہاں کے زمیندار سردار بھی سودخواری اور سرمایہ دارانہ زمینداری میں یہود خیبر سے کچھ کم نہ تھے، طائف کی زرخیزی کا حال معلوم کرنا ہو تو وادی وجؔ اور وادی لیہ کی پیداوار کا حال تاریخ سے معلوم کرنا چاہیئے کہ جہان سے حضرت عمرو بن العاصؓ اور طائف کے زمینداروں کو ہزارون من غلہ اور لاکھون روپیہ وصول ہوتا تھا، مدینہ کے قریب غابہ بڑا زرخیز علاقہ تھا جس کو عبد اللہ بن زبیرؓ نے حضرت زبیرؓ کی شہادت کے بعد سولہ لاکھ میں بیع کیا تھا، قرآن میں صرف مکہ کو وادی غیر ذی زرع کہا گیا ہے، اس سے یہ سمجھ لینا کہ سارا عرب ہی وادی غیر ذی زرع تھا صحیح نہیں، مدینہ والے قدیم سے اکار "کسان" مشہور تھے، ابو جہل سے مرتے وقت کسی صحابی نے کہا دیکھا خدا نے تجھے کیسا ذلیل کیا اور حق کو غالب کیا؟ تو اس نے جواب دیا ایک شخص کے قتل پر تم کیا خوش ہوتے ہو و ہل فوق رجل قتلتموہ، ہاں یہ افسوس ضرور ہے کہ میں کسانوں کے ہاتھ سے مارا گیا کاش ان کسانوں کے سوا کسی اور نے مجھے قتل کیا ہوتا، ابو جہل کے قاتل دو نوجوان انصاری تھے، اس پر ابو جہل نے افسوس ظاہر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ والے ہمیشہ سے کسان اور زراعت پیشہ تھے، ان میں کاشتکاری کے ساتھ زمینداری کا بھی رواج تھا، یہ دعوی کسی طرح صحیح نہیں کہ سب کے سب خود ہی کاشت کرتے تھے، دوسرون کو کاشت پر زمین نہ دیتے تھے، اور یہ کہ مخابرہ سے عرب کو یہود خیبر ہی نے آشنا کیا تھا، خیبر میں تو سرمایہ دار یہود اس وقت پہنچے ہیں جب مدینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قینقاع اور بنی نضیر کے یہودیون کو جلا وطن کیا تھا، یہ صحیح ہے کہ یہود بڑے سود خوار تھے، اکالون للسحت مگر یہ دعوی ماننا مشکل ہے کہ سرمایہ دارون کے سارے ڈھب وہی ایجاد کرتے تھے جس سے خواہ مخواہ مولانا کو لفظ مخابرہ سے یہود خیبر کی ایجاد زمینداری نظر آنے لگی،

(باقی)

شاعری بطور پیشے کے

از مولانا عبد السلام ندوی

عرب میں شاعری اعزاز، شہرت اور عظمت کا بہت بڑا ذریعہ سمجھی جاتی تھی، چنانچہ ابن رشیق کتاب العمدہ فی میں لکھتا ہے کہ "ابتدا میں شاعر کا درجہ خطیب یعنی مقرر سے بلند تھا، کیونکہ اہل عرب کو اپنے قومی اور اخلاقی فضائل کے بقا اور اپنے قبیلے کی حمایت کے لیے شعر کی ضرورت تھی، اخلاقی اور قومی حیثیت کے علاوہ شخصی طور پر بھی عرب میں مشہور شعرا کے اشعار نے بہت سے گمنام لوگون کو عام طور پر مشہور کر دیا اور بہت سے نیک نام لوگون کی شہرت کو خاک میں ملا دیا، مثلاً عرب میں محلق ایک نہایت گمنام کثیر العیال اور مفلس و قلاش شخص تھا، اتفاق سے عرب کا مشہور شاعر اعشی مکہ میں آیا، اور اس کے آنے کی شہرت ہوئی تو محلق کی بی بی نے جو نہایت عقلمند عورت تھی، اس کو مشورہ دیا کہ "حسن اتفاق سے ایک ایسا مشہور شاعر آگیا ہے جس کی مدح لوگون کو بلند اور ہجو لوگون کو پست کر دیتی ہے تم سب سے پہلے اس کو اپنے یہاں مدعو کرو" چنانچہ اس نے اسکی دعوت کا سامان کیا اور کھانے پینے کے بعد شراب کا دور چلا تو اعشی نے اس کے حالات پوچھے، جب اس کو معلوم ہوا کہ وہ ایک مفلس شخص ہے اور اس کے ساتھ اس کے بہت سی بن بیاہی لڑکیان ہیں تو اعشی نے اس سے کہا کہ "میں ان لڑکیون کی شادی کا سامان کردیتا ہون" چنانچہ وہ عکاظ کے میلے میں آیا اور محلق کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا، ابھی قصیدہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ لوگ جوق جوق محلق کے پاس آکر اسکو مبارکباد اور لڑکیون کی شادی کا پیغام دینے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ہر لڑکی کی شادی ایسے اشخاص سے ہو گئی جو اس کے باپ سے مرتبہ در جہ بہتر

عرب مین ایک قبیلہ بنو انف الناقہ کے نام سے مشہور ہو گیا تھا، جس کے معنی "اونٹنی کی ناک کے بیٹے" ہین، اور اس شہرت کی وجہ یہ تھی کہ اس قبیلہ مین جعفر نامی ایک شخص تھا جس کے باپ نے ایک اونٹنی ذبح کی اور سب لوگون کو گوشت تقسیم کیا، لیکن جعفر کو بھول گیا، اس لیے جعفر کی مان نے جعفر کو بھیجا کہ اپنے باپ کے پاس جاکر اپنا حصہ لائے، لیکن تقسیم کے بعد صرف اونٹ کا سر رہ گیا تھا جو جعفر کے حصہ مین آیا، جعفر نے اونٹنی کی ناک مین اپنی انگلیان ڈالین اور اس کو گھسیٹتا ہوا چلا، تو چونکہ یہ ایک ذلت انگیز منظر تھا، اس لیے اس ذلیل لقب سے مشہور ہو گیا، لیکن ایک بار اس قبیلہ کے ایک شخص نے عرب کے مشہور شاعر حطیہ کی دعوت کی اور اس کے اوپر احسانات کیے تو اس نے اس قبیلہ کی مدح مین چند اشعار کہے جس کا ایک شعر یہ ہے،

قوم هم الانف والاذناب غيرهم   ومن يساوي بانف الناقة الذنبا

یہ قوم قومون کی ناک ہے اور دوسرے لوگ دم ہین   لیکن اونٹنی کی ناک کے برابر اسکی دم کو کون کر سکتا ہے

اب اس قبیلہ نے فخریہ اس لقب کو قبول کر لیا، حالانکہ پہلے وہ اس کو ایک ذلت آمیز لقب سمجھتا تھا اور اس سے احتراز کرتا تھا، اس کے بالکل برعکس عرب کا ایک نہایت معزز قبیلہ بنو نمیر تھا جو گویا عرب کے آتشکدہ کا ایک شعلہ تھا اور وہ اس لقب پر نہایت بلند آہنگی کے ساتھ فخر کرتا تھا، لیکن عرب کے مشہور شاعر جریر نے اس قبیلہ کے ایک شخص کی ہجو مین اس اہتمام کے ساتھ قصیدہ لکھا کہ رات بھر جاگتا رہا، جب قصیدہ مکمل ہو گیا اور چراغ بجھا کر سونے لگا تو کہا کہ "خدا کی قسم مین نے ان کو ابد تک کے لیے ذلیل کر دیا"، اس قصیدہ کا ایک شعر جس نے ہمیشہ کے لیے اس قبیلہ کی گردن جھکا دی یہ تھا،

فغض الطرف انك من نمير   فلا كعبا بلغت ولا كلابا

آنکھ کو جھکا لو کیونکہ تم بنو نمیر کے قبیلہ سے ہو   تم نہ کعب کے درجہ کو پہنچے نہ کلاب کے درجہ کو

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار ایک پاکدامن عورت کا گذر بنو نمیر کی ایک مجلس سے ہوا، اہل مجلس اس کو

گھور گھور کر دیکھنے لگے، اس نے کہا کہ "اے بنو نمیر تم نے نہ تو خدا کے اس قول پر عمل کیا

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ   مسلمانون سے کہو کہ اپنی نگاہون کو جھکائے رکھین

اور نہ شاعر کے اس قول پر،

فغض الطرف انك من نمير   فلا كعبا بلغت ولا كلابا

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب مین شعراء کو یہ اقتدار حاصل تھا کہ بلند کو پست، پست کو بلند، معزز کو ذلیل اور ذلیل کو معزز کر دیتے تھے، اس لیے اگر وہ شاعر کا درجہ خطیب سے بالاتر سمجھتے تھے تو یہ کچھ بیجا نہ تھا، لیکن شعراء کو یہ اقتدار اسی وقت تک حاصل رہا، جب تک انھون نے شاعری کو ذریعہ معاش نہین بنایا، لیکن جب انھون نے شاعری کو ذریعہ معاش بنایا تو دفعۃً ان کا یہ اقتدار زائل ہو گیا، چنانچہ ابن رشیق نے لکھا ہے کہ "جب شعراء نے شاعری کو ذریعہ معاش بنایا تو خطابت کا درجہ شعر سے بلند ہو گیا"، لیکن ایسا کب ہوا؟ اور کیونکر ہوا؟ اس کی ایک مستقل تاریخ ہے، جو حسب بیان ابن رشیق یہ ہے کہ "ابتدا مین اہل عرب نے شاعری کو کسب زر کا ذریعہ نہین بنایا تھا، وہ شعر کبھی تفریح کے لیے اور کبھی کسی کے احسان کے شکریہ کے طور پر کہتے تھے، مثلاً معلّی نامی ایک شخص نے جو قبیلہ بنو تیم سے تعلق رکھتا تھا، امرء القیس کو اس وقت پناہ دی تھی، جب ایک بادشاہ قتل کرنے کے لیے اس کو گرفتار کرنا چاہتا تھا، اس احسان کے بدلے مین امرء القیس نے اس کے قبیلہ کی مدح کی، جسکا ایک شعر یہ ہے،

اقر حشا امرئ القيس بن حجر   بنو تيم مصابيح الظلام

"مصابیح الظلام" کے معنی چراغ شب تار کے ہین، اور امرء القیس کے اس مداحانہ شعر کے بعد اس قبیلہ کا لقب مصابیح الظلام ہو گیا، وہ سعد بن الضباب کی مدح مین بھی کہتا ہے،

ساجزيك الذي دافعت عني   وما يجزيك عني غير شكري

تم نے میری جانب سے جو مدافعت کی ہے مین اسکا بدلہ دون گا   لیکن شکریہ کے سوا میرے پاس بدلہ کا اور کوئی ذریعہ نہین

لیکن سب سے پہلے اس خودداری کی روش کو نابغہ ذبیانی نے بدلا اور اس نے بادشاہوں کی مدح میں قصائد کہے اور صلے قبول کیے، اس کا خاص ممدوح نعمان بن منذر تھا، اس کے علاوہ اس نے ملوک غسان کی بھی مداحی کی، اور اس کے صلے میں اسقدر روپیہ کمایا کہ سونے اور چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا تھا،

زہیر بن ابی سلمی نے بھی ہرم بن سنان کی مداحی سے تھوڑی سی دولت کمائی، ان دونوں کے بعد اعشیٰ نے شاعری کو بالکل تجارتی مال بنا لیا اور اپنے اشعار کو ملکوں ملکوں لیے پھرتا تھا، یہاں تک کہ اس نے ایک عجمی بادشاہ کی بھی مدح کی اور جب اس کے سامنے اس کے اشعار کا ترجمہ کیا گیا تو اگرچہ اس نے پسندیدگی کے بجائے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تاہم شاہانِ عرب کی روش کے مطابق اس نے بھی اس کو صلہ دیا، لیکن عام طور پر شعرائے عرب اس گداگرانہ روش کو ناپسند کرتے تھے، اور اس کو خودداری کے خلاف سمجھتے تھے، حضرت عمر بن الخطابؓ کا قول ہے کہ "اہل عرب ضرورت کے پورا کرنے کیلئے شعر نہیں کہتے تھے"

عرب کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کا دستور تھا کہ ایک خاص موسم میں لوگوں کی دعوت کیا کرتا تھا، لیکن جب وہ بوڑھا اور تنگدست ہو گیا تو اس وضع کو قائم رکھنے کیلئے ولید بن عقبہ نے اس کے پاس سو اونٹ بھجدیئے، وہ خود تو شعر کہنے کے قابل نہ تھا، لیکن اس نے اپنی بیٹی سے کہا کہ "تم ولید کا شکریہ ادا کرو" چنانچہ اس نے چند شعر ولید کی مدح میں کہے، جن کا آخری شعر یہ تھا،

فعد ان الکریم لہ معاد — وظنی یا ابن اروی ان یعودا

دوبارہ سلوک کرو کیونکہ شریف لوگ دوبارہ سلوک کرتے ہیں — مجھے توقع ہے کہ آپ دوبارہ سلوک کریں گے

لبید نے یہ اشعار سنے تو کہا کہ "تم نے اچھے شعر کہے ہیں، لیکن اخیر شعر میں تم نے درپردہ جو سوال کیا ہے وہ پسندیدہ نہیں ہے"

ابن میادہ نے صلہ طلبی کی غرض سے خلیفہ ابو جعفر منصور کی مدح میں قصیدہ کہا اور قصیدہ سنانے کے لیے بغداد کا سفر کرنا چاہا، لیکن جب اس کے اونٹ کا چرواہا دودھ دوہ کر لایا تو اس نے دودھ پی کر

پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا "سبحان اللہ! کیا میں امیر المومنین کی خدمت میں سائل کی حیثیت سے حاضر ہوں حالانکہ یہ دودھ میرے لیے کافی ہے" اور سفر کا ارادہ فسخ کر دیا،

جمیل بن عبد اللہ بن معمر نے کبھی اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے سوا کسی کی مدح میں شعر نہیں کہے، ایک بار وہ ولید بن عبد الملک کا ہم سفر تھا، ولید نے درپردہ اس سے مدح کی خواہش کی تو اس نے خود اپنی مدح میں ایک فخریہ شعر کہا، جس کو سنکر ولید نے کہا کہ "بس اب معاف فرمایئے"

عمر بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ مخزومی اور عباس بن احنف دونوں صرف غزل گو تھے اور مداحی اور ہجوگوئی سے احتراز کرتے تھے، اس لیے کوئی بادشاہ یا وزیر عباس کو مدحیہ قصائد کہنے کی زحمت نہیں دیتا تھا، البتہ غزل اور تشبیب پر اس کو خلیفہ ہارون رشید نے صلے دیئے ہیں، اور عمر بن ربیعہ سے عبد الملک نے مدح کی فرمائش کی تو اس نے کہا کہ "میں صرف عورتوں کی مدح کرتا ہوں" یعنی صرف غزل لکھتا ہوں،

اگرچہ بعد کو عام طور پر شعراء نے شعرائے عرب کی قدیم خودداری کی روش کو قائم نہیں رکھا تاہم ان میں بھی فرقِ مدارج تھا، نابغہ ذبیانی، جس نے عرب کی قدیم خودداری کی روش کو بدلا تھا، صرف بادشاہوں کی مدح کرتا تھا، اور زہیر وغیرہ بھی بڑے بڑے روساء کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے، غرض عام طور پر شعراء بادشاہوں سے کم درجہ کے لوگوں کا صلہ قبول کرنا اپنے لئے باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے، لیکن حطیہ نے اس فرقِ مدارج کو بھی مٹا دیا، اور اس نے ہر کس و ناکس کی مدح میں قصیدے لکھے اور ان کے صلے قبول کیے، چنانچہ ابن رشیق لکھتا ہے،

فاما الحطیۃ فقبح اللہ ہمتہ — حطیہ کی پست ہمتی پر خدا کی لعنت باوجودیکہ

الساقطۃ علی جلالۃ شعرہ — اس کے اشعار نہایت بلند ہوتے تھے

وشرف بیتہ، — اور اس کا خاندان نہایت معزز تھا،

رفتہ رفتہ عربی شاعری کی یہ حالت ہو گئی کہ بجائے جوشِ طبع کے اس کا تمامتر دار و مدار صلہ پر رہ گیا،

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ زہیر نے بہترین شعر صرف ہرم بن سنان کی مدح میں لکھے ہیں، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے ہرم کی بعض اولاد سے کہا کہ "زہیر نے تم لوگوں کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں سے کچھ سناؤ"، اس نے اس قسم کے اشعار سنائے تو فرمایا کہ "وہ تمھاری مدح میں بہترین شعر کہا کرتا تھا"، اس نے کہا کہ "ہم اس کو صلہ بھی تو خوب دیتے تھے"؛

ایک بار فرزدق سلیمان بن عبد الملک کی خدمت میں حاضر ہوا، سلیمان نے در پردہ اشارہ کیا کہ اس کی مدح میں چند اشعار سنائے، لیکن اس نے اپنے قبیلہ کی مدح میں اشعار سنائے، سلیمان سخت برہم ہوا، اور نصیب سے جو اس وقت موجود تھا کہا کہ "اپنے آقا کو تم شعر سناؤ"، نصیب اشارہ سمجھ گیا اور اس کی مدح میں چند اشعار سنائے، سلیمان بہت خوش ہوا اور اس کے اشعار کی داد اور صلہ دیا، اور فرزدق کو بالکل محروم رکھا، فرزدق دربار سے نکلا تو نصیب کی ہجو میں چند اشعار کہے، جن میں دو شعر یہ ہیں،

اذا اعیاص القریض علیک فامدح   امیر المومنین تجد مقالا

جب تم شعر نہ کہہ سکو تو امیر المومنین کی مداحی کرو   اس وقت تمھاری زبان کھل جائے گی

اتتک بنا قلاص یعلات   وضعن مدائحا وحملن مالا

ہم کو تمھارے پاس اونٹ لائے اور   انھوں نے مدحیہ قصیدے اتار دیئے اور مال لاد لیا

ایک بار لوگوں نے حطیہ سے کہا کہ کون شخص سب سے بڑا شاعر ہے؟ اس نے منہ سے سانپ کی سی پتلی زبان نکالی اور کہا کہ "یہ جب اس کو حرص ابھارے"؛

ابو یعقوب خریمی سے ایک شخص نے پوچھا "یہ کیا بات ہے کہ تم نے محمد بن منصور بن زیاد کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں، وہ ان اشعار سے بہتر ہیں جو تم نے اس کے مرثیہ میں لکھے ہیں"، اس نے جواب دیا کہ "ہم مدح صلہ کی توقع میں کہتے تھے، اور مرثیہ صرف اظہار وفاداری کے لیے کہتے ہیں اور دونوں میں بڑا فرق ہے"،

کمیت شیعہ اور بنو امیہ کا مخالف تھا اور اس نے بنو امیہ اور ان کے حریف آل ابو طالب دونوں کی مدح میں قصیدے لکھے ہیں، لیکن باوجود اس کے کہ وہ بنو امیہ کا مخالف تھا اس نے ان کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ ان اشعار سے بہتر ہیں جو اس نے آل ابی طالب کی شان میں کہے ہیں، اور اسکی وجہ حرص و آز کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟

یہ تو عربی شاعری کا حال ہے، فارسی شاعری کی ابتدا اس زمانہ میں ہوئی جب عربی شاعری کا دار و مدار صرف مدح گوئی اور صلہ طلبی پر رہ گیا تھا، اس لیے اس کی زبان سب سے پہلے مداحی سے آشنا ہوئی، اور عباس مروزی نے خلیفہ مامون رشید کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس کے چند اشعار یہ ہیں:-

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقدین   گسترانیدہ بہ فضل وجود در عالم یدین

کس بدین منوال پیش از من چنین شعرے نگفت   مر زبان پارسی را ہست با این نوع بین

لیک زان گفتم من این مدحت ترا تا این لغت   گیرد از مدح و ثنائے حضرت تو زیب و زین

اور مامون نے ہزار اشرفیاں صلے میں دیں،

اس سے معلوم ہوا کہ ایران میں شاعری حکومت کی بدولت پیدا ہوئی اور حکومت ہی کی آغوش میں نشو و نما پائی، عام لوگوں بالخصوص امرا و سلاطین کا خیال تھا کہ مدحیہ شاعری بقائے نام کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، حکومت کے تمام آثار، قلعے اور محل ٹوٹ جائیں گے، لیکن مدحیہ قصیدہ کی بدولت ایک بادشاہ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا، چنانچہ نظامی عروضی فرماتے ہیں

بسا کاخا کہ محمودش بنا کرد   کہ از رفعت ہمی با مہ مرا کرد

نہ بینی زان ہمہ یک خشت بر جا   مدیح عنصری ماندست بر جا

اور یہ خیال شعرا کی قدر دانی اور ترقی کا بڑا ذریعہ بن گیا اور تمام بڑے بڑے بادشاہوں کے

دربارون مین ملک الشعرائی کا ایک مستقل عہدہ قائم ہوگیا، جس کی سب بڑی تنخواہ ہوتی تھی،

ملک الشعراء کے علاوہ اور بھی بہت سے شعراء دربارون مین رہتے تھے، جو جشن وغیرہ کے موقعون پر قصیدے پیش کرتے تھے اور بڑے بڑے صلے پاتے تھے، اس طرح شعراء پر جو زر وجواہر کی بارش ہوتی تھی، اس کی تفصیل کے لیے ایک مستقل مضمون بلکہ کتاب کی ضرورت ہی، عنصری کو سلطان محمود کی فیاضیون نے اس درجہ تک پہنچایا کہ چار سو زرین کمر غلام اس کے رکاب مین چلتے تھے اور جب سفر کرتا تھا تو اس کا ساز وسامان چار سو اونٹون پر بار کیا جاتا تھا، سلطان محمود کا ولی عہد سلطنت یعنی مسعود خراسان سے غزنین مین آیا تو شعراء نے تہنیت کے قصیدے پیش کیے، جس کے صلہ مین ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار اور عنصری اور زینبی کو پچاس پچاس ہزار درہم صلہ مین دلوائے،

مولانا جمال الدین سلطان محمد تغلق کی مدح مین قصیدہ لکھ کر لے گئے اور جب اس کا مطلع پڑھا تو سلطان نے روک دیا اور کہا کہ "مین باقی اشعار کے صلے دینے سے عاجز ہون" یہ کہکر اشرفیان منگوائین اور حکم دیا کہ مولانا کے قدم سے سر تک ڈھیر لگا دیا جائے، اشرفیان سر تک پہونچین تو مولانا کھڑے ہو گئے، سلطان کو یہ ادا نہایت پسند آئی، دوبارہ اشرفیان منگوا کر حکم دیا کہ قد آدم ڈھیر لگا دیا جائے،

اس قسم کے اور بھی سیکڑون واقعات ہین، جنکی تفصیل خزانہ عامرہ مین مل سکتی ہے، جو خاص طور پر ان شعراء کا تذکرہ ہے، جن کو صلے اور انعامات ملے ہین، مولانا شبلی نے شعر العجم جلد چہارم مین بھی بہت سے واقعات لکھے ہین اور ان واقعات کے لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ اگر ان کی تفصیل کی جائے تو عرفی کا یہ طعنہ سننا پڑے گا،

بہا بہ ملک قناعت کہ دور و سر نکشی　　ز قصہ ہا کہ بہ ہمت فرودش طے بستند

لیکن باوجود اس ظاہری قدردانی اور عزت افزائی کے اس مین نقص کے بھی بہت سے پہلو نکلتے تھے کیونکہ امراء وسلاطین تک دربارون مین بڑی مشکل سے رسائی ہوتی تھی، ظہیر فاریابی نے متعدد قصیدون

مین شکایت کی ہو کہ مدتون سے ڈیوڑھی پر پڑا ہون کوئی خبر نہین ہوتا،

درین سہ سال کہ از درگہ تو بودم دور　　بہیچ صنعت و شغلم کسے نزد از نام

ایک اور قصیدے مین کہتا ہے کہ سال بھر ہوگیا کوئی خبر نہین ہوتا، بس اب اتنی اجازت دیجئے کہ قصیدہ سنا کر چلا جاؤن،

نشستہ منتظر آنکہ فرصتے یابم　　اگر بسمع مبارک رسانم و بردم

دربار مین پہنچ جانے اور قصیدہ پیش کرنے پر صلہ وانعام کا مرحلہ پیش آتا تھا، اولاً تو مدتون مین حکم صادر ہوتا تھا، اور ہوا تو تعمیل مین اس قدر دیر ہو جاتی تھی کہ بیچارے مفلس شاعر کی جان پر بن جاتی تھی، ظہیر، انوری، اور سلمان کے دیوان ان شکایتون سے لبریز ہین، بالآخر شعراء کو مصیبتین جھیلتے جھیلتے احساس ہوا کہ مداحی اور بھیک نہایت بد طریقہ ہے اور شاعری اگر اسی کا نام ہے تو نہایت بیکار چیز ہے، چنانچہ اثیر الدین اومانی نے شاعری کی ہجو مین ایک طویل قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے،

(۱) "بھائی جان شاعری سے برا دنیا مین کوئی کام نہین، خبردار اس پر کبھی بھروسہ نہ کرنا"

(۲) کسی کو اگر تم بخیل کہدوگے تو اس کا کیا بگڑ جائے گا؟ اور اگر اس کو فیاض کہدوگے تو اس کی کیا ترقی ہو جائے گی؟

(۳) ایک کاغذ لغویات سے بھر کر کسی کے پاس بھیجتے ہو، پھر شکایت کرتے ہو کہ مجھ کو نوٹ کیون نہین دیئے؟

(۴) یہ کاغذ نہ کوئی شرعی دستاویز ہے نہ سرکاری تحریر، پھر وہ تم کو اس کی وجہ سے کوئی چیز کیون دے؟

(۵) اور یہ کیا بیہودہ پن ہو کہ مدح کے تو صرف سات شعر تھے اور تقاضے کے ستر شعر لکھ کر بھیجتے ہو،

ظہیر فاریابی نے شاعری کی ناقدردانی کا ایک پر اثر مرثیہ لکھا ہے جس کے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے

(۱) شاعری میرا ادنیٰ کمال ہے خیال کرو کہ کتنی دفعہ مین نے اسکی بدولت مصیبت جھیلی ہے،

(۲) مین کبھی ایک حبشی کو حور بناتا ہون، کبھی ایک کمینہ کو فیاض کہتا ہون،

(۳) شعر کے اقسام مین غزل اچھی چیز ہے، لیکن وہ بھی کوئی ایسی چیز نہین ہے جس پر کوئی بنیاد قائم کی جا سکے،

(۴) مجھے اس سے کیا فائدہ کہ کشمیر مین کوئی معشوق ہے یا نوشاد مین کوئی شیرین لب ہے،

(۵) شعر گوئی کا کوئی نتیجہ ہے تو یہی کہ مین اپنے آپ کو غلام کہتا ہون اور سرو کو آزاد،

انوری نے شعر و شاعری کی ہجو مین ایک مستقل نظم لکھی ہے، جس کے چند اشعار یہ ہین،

زانکہ از کناس ناکس در ممالک چارہ نیست   حاش للہ تا ندانی این سخن را سرسری

باز گر شاعر نباشد ہیچ نقصان ناوفتد   در نظام عالم از روے خرد گر بنگری

یعنی دنیا کو حلال خورون کی تو ضرورت ہے، لیکن شاعر کی کوئی ضرورت نہین،

از چہ واجب شد بگو آخر بدین آزاد مرد   اینکہ می خواہی از دنیا آنکہ ز دستگیری

و ترا کے گفت کاین گلزہ ہا را جمع کن   تا ترا لازم شود چندان شکایت گستری

یعنی ممدوح نے کب کہا تھا کہ تم اسکی مدح کرو پھر صلہ نہ دینے کی شکایت کیا،

اس ذلت و ناکامی پر مدحیہ شاعری سے بالکل دست بردار ہو جانا چاہیئے تھا، لیکن سفلہ طبعی نے بجائے اس کے ایک اور بدتر طریقہ پیدا کیا، یعنی جب انعام نہین ملتا تھا تو پہلے شعر کے ذریعہ سے تقاضا کرتے تھے، اس پر بھی انعام نہ ملا تو ہجو کہتے تھے، چنانچہ انوری اپنے ممدوح سے کہتا ہے،

سہ بیت رسم بود شاعران طامع را   یکے مدیح و دوم قطعۂ تقاضائی

اگر بداد سوم شکر ور نہ داد ہجا   از ان سہ دو بیت بگفتم دگر چہ فرمائی

یعنی شاعرون کا قاعدہ ہے کہ تین نظمین کہتے ہین، پہلے مدح، پھر تقاضا، اب اگر صلہ مل گیا تو شکریہ ادا کرتے ہین اور نہ ملا تو ہجو کہتے ہین، ان تین نظمون مین سے دو تو مین کہہ چکا یعنی مدح اور تقاضا، تیسرے کی نسبت فرمائیے کیا ارشاد ہے؟

اگرچہ ان بیہودگیون کی بنا پر بعض خلفا و سلاطین نے بھی اس پیشہ درانہ شاعری کو روکنا چاہا، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے شاعرون کو صلہ دینا بند کر دیا، اور عالمگیر نے ملک الشعرائی کا عہدہ بالکل توڑ دیا تاہم اس ذلیل پیشے کا انسداد نہ ہو سکا، اس لیئے اردو شاعری اگرچہ اس زمانے مین شروع ہوئی، جب کہ مسلمانون کی حکومت کا دور انحطاط تھا، تاہم شعرا کی قدردانی چونکہ لازمۂ ریاست ہو چکی تھی اس لیئے ہر نواب، ہر وزیر اور ہر امیر کے دربار سے کوئی نہ کوئی شاعر ضرور وابستہ ہوتا تھا،

ہم نے شعر الہند حصۂ دوم مین ان تمام مربیانِ اردو شاعری کے نام تفصیل سے بتائے ہین جنھون نے اردو کے اکابر شعرا کی پرورش و پرداخت کی اور ان کو اطمینانِ خاطر کے ساتھ اردو شاعری کی ترقی دینے کا موقع ملا، لیکن اس موقع پر صرف اس کے اجمالی خلاصہ پر قناعت کرتے ہین،

دلی مین اردو شاعری ولی دکنی سے شروع ہوئی اور جب وہ دلی مین آئے تو شاہ ولاجاہ نے ان کی قدردانی اور پرورش کی،

لکھنؤ مین آصف الدولہ نے شعرا کی نہایت قدردانی کی اور ان کی بیش قرار تنخواہین مقرر کین،

نوابانِ اودھ کے علاوہ شعرا کی قدردانی سب سے زیادہ مرزا سلیمان شکوہ نے کی، مرزا قادر بخش صابر نے تذکرہ گلستان سخن مین لکھا ہے کہ شعرا کو ان کی قدردانی سے حیمان حرص بر زر، تقی، مصحفی، انشا، جرأت، میر سوز سب کے سب ان ہی کے دربار سے وابستہ تھے،

مرزا جہاندار شاہ بھی نہایت بلند حوصلگی سے شعرا کی سرپرستی کرتا تھا،

نوابانِ اودھ اور شہزادگانِ دلی کے علاوہ جن امرا و رؤسا نے شعرا کی قدردانی کی ان مین مہربان

خان رند کا نام امتیاز خاص رکھتا ہی، چنانچہ سودا جب اول اول دلی سے نکلے تو سب سے پہلے ان کی قدردانی ان ہی کے دربار مین ہوئی، اور میر سوز نے بھی ان ہی کے خوانِ کرم سے فائدہ اٹھایا، نواب محمد خان امیر بھی شعرا کی قدردانی مین اپنے ہمعصر امرا سے کم نہ تھے، قائم چاندپوری کو انھون نے اپنا استاد بنایا تھا، اور سو روپیہ ماہوار ان کی تنخواہ مقرر کی تھی، قائم خود کہتے ہین،

جو قائم خوبی کو نہین ہے تعدد   تو خدمت کر محمد یار خان کی

قائم کو تو ان کی استادی کا شرف حاصل تھا، لیکن ان کے علاوہ اور شعرا بھی مثلاً قدرتی لاہوری، میر محمد نعیم نعیم، پروانہ، علی شاہ مراد آبادی اور مصحفی وغیرہ بھی مقربین بارگاہ مین تھے، چنانچہ قائم نے ایک شعر مین شعرا کے اس اجتماع کا تذکرہ کیا ہے

تجکو قائم رکھے اللہ بہت سا اے امیر   مجمع سایہ مین ہین جس کے سخندان ایسے

نواب محمد خان بھی خود شاعر تھے اور شعرا کی قدردانی کرتے تھے جعفر علی خان حسرت ان کے استاد تھے، اور جرأت کا تعلق بھی ان کے دربار سے تھا، جس کی تصریح انھون نے شاعرانہ انداز مین اس طرح کی ہے،

بسکہ گھمبین تھے سدا عشق کے ہم بتان کے   ہوئے نوکر بھی تو نواب محمد خان کے

حسرت اور جرأت کے علاوہ اس زمانے کے اور شعرا بھی ان کی صحبت مین رہتے تھے،

غرض قدما کے دور مین ہر امیر کے یہان شاعری کا ایک مخصوص صیغہ قائم ہو گیا تھا، جس کا ذکر مصحفی نے بعض شعرا کے حالات مین کیا ہے،

شمالی ہند کے علاوہ دکن مین راجہ چندولال کی فیاضیون کا دریا بہہ رہا تھا، اور ہندوستان کے متعدد شعرا ان کے دربار سے فیضیاب ہو رہے تھے، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ حسرت کے تذکرے مین لکھتے ہین،

از چندسال بہ حیدرآباد رفتہ بجرگہ شعرائے چندولال است

لیکن اس دربار سے سب سے زیادہ فائدہ شاہ نصیر نے اٹھایا، اور متعدد بار حیدرآباد گئے اور صلہ و انعام سے مالامال ہو کر آئے، ایک بار خود راجہ چندولال نے سات ہزار روپیہ بھیجکر بلوا بھیجا اور وہان پہنچنے کے بعد پچیس روپیہ یومیہ مقرر کر دیا،

مشرقی ہندوستان مین امرائے عظیم آباد و مرشد آباد نے بھی شعرا کی دلجمعی کے سامان بہم پہنچائے، اور اس قدردانی کی وجہ سے ان اطراف مین شعر و شاعری کو بڑی ترقی ہوئی، رکن الدین عشق، اشرف علی فغان، شاہ قدرت اللہ قدرت، دردمند، میر باقر حزین، حبیب قلی خان حسرت، الم خلف خواجہ میر درد، جودت مرشد آبادی وغیرہ سب کے سب امرائے عظیم آباد و مرشد آباد مثلاً خواجہ محمدی خان، مہاراجہ شتاب رائے، نواب غلام حسین خان، نواب اعظم خان، نواب سید احمد خان، صولت جنگ، نواب شوکت جنگ، راجہ دولت رام اور نواب علاء الدولہ سرفراز خان کے وظیفہ خوار تھے،

دلی مین ذوق و غالب نے بہادر شاہ کے خوان کرم کی زلہ ربائی کی،

یہ تو قدما کے دور سے لیکر متوسطین کے دور تک کی سرگذشت تھی، متاخرین کے دور مین واجد علی شاہ اختر، شعرا کے بڑے قدردان تھے، اور ان کے دربار سے متعدد شعرا، مثلاً شفق، قاسم، درخشان، ہنر، عیش، بہار، مائل، اشرف، طوبیٰ، اور یار وابستہ تھے، اور ان مین سات شخصون کو سبعہ سیارہ کا لقب ملا تھا، رند نے بھی ایک زمین مین واجد علی شاہ کے ارشاد سے سہ غزلہ لکھا ہے، اور اس کے مقطع مین ان کے دربار کی فیاضی اور قدردانی کا اظہار اس طرح کیا ہے،

رند ہے سرکار عالی مین قدیمی جان نثار   کب اسے خلعت مین شمشیر و سپر ملتی نہین

واجد علی شاہ اور بہادر شاہ کے بعد جب دلی اور لکھنؤ مین بالکل سناٹا ہو گیا تو والیانِ ریاست

رامپور نے شعرائے لکھنؤ اور شعرائے دلی دونون کی یکسان طور پر قدردانی کی اور اس کا سلسلہ نواب یوسف علی خان ناظم کے زمانہ سے شروع ہوا جو شعر و سخن کے ساتھ نہایت ذوق رکھتے تھے اور ابتدا مین مومن خان سے مشورہ کرتے تھے، لیکن بعد کو مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور سو روپیہ ماہوار ان کی خدمت مین بھیجتے رہے، اور اگر رامپور مین رہین تو اس پر بنام دعوت سو روپیہ کا اور اضافہ، آخر مین منشی مظفر علی خان اسیر اور سب سے آخر مین منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کو بھی اپنا کلام دکھایا،

نواب یوسف علی خان بہادر کی وفات کے بعد نواب کلب علی خان مسند آرائے ریاست ہوئے تو انھون نے اہل کمال کی قدردانی مین نواب یوسف علی خان سے بھی زیادہ فیاضی سے کام لیا، بالخصوص ان کا دربار شعرائے لکھنؤ مثلاً منشی مظفر علی خان اسیر، منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی، حکیم سید ضامن علی صاحب جلال، شیخ امداد علی صاحب بحر، خواجہ ارشد علی خان قلق، حسین علی خان شادان، خواجہ محمد بشیر صاحب بشیر، منشی امیر اللہ صاحب تسلیم، صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا، مرزا معین الدین بہادر، آغا علی نقی غنی، آغا محمد شیرازی نثار، مرزا احمد علی صاحب رسا، امیر محمد زکی بلگرامی، منشی گوبند لال صاحب صبا، لالہ گنج بہاری لال صاحب حیرت، میر یار علی خان جان صاحب ریختی گو کا سب سے بڑا ملجا و ماوی بن گیا،

دلی کے شعرا مین نواب مرزا داغ نے ایک مدت تک ان کی رفاقت مین نہایت مسرت کے ساتھ زندگی بسر کی، چنانچہ خود فرماتے ہین،

ہرچند رامپور مین گھبرا رہا ہے داغ
جاتا کہان ہے کلب علی خان کو چھوڑ کر

شعرائے دلی اور شعرائے لکھنؤ کے اس اجتماع و اختلاط سے لکھنؤ کی شاعری کا رنگ بہت کچھ بدل گیا، اور منشی امیر احمد صاحب امیر جو پہلے لکھنؤ کے رنگ مین کہتے تھے، اب داغ کے رنگ مین کہنے لگے، چنانچہ خود کہتے ہین ؎

وہ پچھلا کلام بھی ہے جو اس مین شریک امیر
دیوان مین اب کا رنگ کہین ہو کہین نہین

بالخصوص حکیم سید ضامن علی جلال تو بالکل دلی کے رنگ مین کہنے لگے، اور منشی امیر اللہ تسلیم وغیرہ نے بھی روزمرہ اور صفائی زبان کی طرف خاص طور پر توجہ کی،

نواب کلب علی خان بہادر کے بعد نواب سید حامد علی خان بہادر نے منشی محمد احمد صاحب صریر مینائی خلف منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کو اپنا استاد بنا کر اپنے اسلاف کی سنت قدیمہ کو دوبارہ زندہ کیا، اور حکیم سید ضامن علی جلال سے بھی سلوک کرتے رہے، اسی آخری دور مین ہز ہائی نس نواب میر محبوب علی خان بہادر والی دکن نے نواب مرزا داغ کی قدردانی فرما کر اردو شاعری کا پایہ اور بھی بلند کر دیا، بہت سے اردو شعرا، اگرچہ امرا و سلاطین کے دربارون مین ہمیشہ وابستہ رہے ہین، اور بڑے بڑے صلے اور انعامات حاصل کیے ہین، لیکن حضور نظام حیدرآباد کی فیاضی نے نواب مرزا داغ کی جو بیش قرار تنخواہ مقرر کی، اس کی نظیر سے اردو شاعری کی تاریخ خالی ہے،

نواب صاحب مرحوم کے بعد ہز اگزالٹیڈ ہائی نس میر عثمان علی خان بہادر نے بھی اس آئین کہن کو قائم رکھا، اور حافظ جلیل حسن جلیل کی قدردانی فرما کر اور تمام علوم و فنون کی طرح اردو شاعری کی بھی سرپرستی فرمائی،

شاعری کی پیشہ ورانہ تاریخ کے سلسلے مین ہمارے لیے یہ بات قابل مسرت ہے کہ اردو شعرا کو قصائد پیش کرنے اور صلہ و انعامات کے حاصل کرنے مین وہ زحمتین اور مصیبتین پیش نہین آئین جو شعرائے فارسی کو پیش آتی رہین، یہ بات بھی قابل فخر ہے کہ شعرائے فارسی مین بجز صوفی شعرا کے جو دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے، کوئی خوددار شاعر ایسا نہین ملتا جس نے صلہ طلبی سے گریز کی ہو، حالانکہ عربی شعرا مین اس قسم کے بہت سے لوگ گذرے ہین، جنھون نے شاعری کو صلہ طلبی کا ذریعہ نہین بنایا، اگرچہ ایرانی شعرا مین عرفی نے نہایت فخر و غرور کے ساتھ کہا تھا،

قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی
تو از قبیلۂ عشقی وظیفہ ات غزل است

لیکن عملی طور پر وہ بھی انہی ہوس پیشون مین داخل تھا اور نہایت پر زور مدحیہ قصائد کہتا تھا البتہ اس مین دو خصوصیتین ایسی تھین جو فارسی شاعری کے اور شعراء سے اس کو ممتاز کر دیتی تھین، ایک تو یہ کہ اگرچہ مدحیہ قصائد اس کو مجبوراً لکھنے پڑتے تھے تاہم وہ اس کو اپنے لیے موجب ننگ وعار سمجھتا تھا، چنانچہ ایک قصیدے مین کہتا ہے،

زخاندان اصیلم ہمین گواہم بس — کہ شرم مدحت تو خوی زچہرہ بیرون داد

دوسرے یہ کہ قصائد مین وہ ممدوح کے ساتھ اپنے ذاتی اوصاف بھی بیان کرتا ہے، لیکن یہ بات نہایت فخر وغرور کے ساتھ بیان کی جا سکتی ہے، کہ اردو شعراء مین آتش و ناسخ نے ان ہوس پیشہ شعراء کی صف سے اپنے آپ کو ہمیشہ علٰحدہ رکھا اور عمر بھر صرف غزل لکھتے رہے، قصیدہ گوئی سے اپنے قلم کی زبان کو کبھی آلودہ نہین کیا، عرب کے مشہور غزل گو شاعر عمر بن ربیعہ نے ایک بادشاہ سے کہا تھا کہ

"مین صرف عورتون کی مدح کرتا ہون، بادشاہون کی مدح نہین کرتا،"

اور اردو شعراء مین بھی ناسخ و آتش نے اپنی عمرین عورتون کی مدح مین صرف کر دین اور کسی کی مدح نہین لکھی،

اسی غیرت وخودداری کی بنا پر بروایت مولوی محمد حسین آزاد ناسخ نے "کسی کی نوکری نہین کی، سرمایہ خداداد اور جوہر شناسون کی قدر دانی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کی، پہلی دفعہ الہ آباد آئے ہوئے تھے، جو راجہ چندو لال نے ۱۲ ہزار روپیہ بھیجکر بلا بھیجا، انھون نے کہا "اب مین نے سید کا دامن پکڑا ہے اسے چھوڑ نہین سکتا، یہان سے جاؤن گا تو لکھنؤ ہی جاؤن گا" راجہ موصوف نے پھر خط لکھا بلکہ ۱۵ ہزار روپیہ بھیجکر بڑے اصرار سے کہا کہ "یہان تشریف لایئے تو ملک الشعراء کا خطاب دلوا دون گا، حاضری دربار کی قید نہ ہوگی، ملاقات آپ کی خوشی پر رہے گی" انھون نے منظور نہین کیا،

غازی الدین حیدر کے زمانے مین جب ان کی تعریفون کی آوازین بلند ہوئین تو انھون نے

اپنے وزیر نواب معتمد الدولہ آغا میر سے کہا کہ "اگر شیخ ناسخ ہمارے دربار مین آئین اور قصیدہ سنائین تو ہم انھین ملک الشعراء کا خطاب دین" معتمد الدولہ نے جب یہ پیغام پہنچایا تو انھون نے بگڑ کر جواب دیا کہ "مرزا سلیمان شکوہ بادشاہ ہو جائین تو وہ خطاب دین، یا گورنمنٹ انگلشیہ خطاب دے، ان کا خطاب لیکر مین کیا کرون گا" لیکن اس شان استغنا کے مقابلہ مین غالب کی اخلاقی حالت کیا تھی؟ اس کا جواب وہ خود نہایت فخر کے ساتھ دیتے ہین،

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا — وگرنہ شہر مین غالب کی آبرو کیا ہے

آتش کی فقیرانہ زندگی کے واقعات تو اس سے بھی زیادہ مؤثر ہین، مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہین کہ "۸۰ روپیہ مہینہ بادشاہ لکھنؤ کے یہان سے ملتا تھا، ۴۰ روپیہ گھر مین دیدیتے تھے، باقی غرباء اور اہل حاجت کو کھلا پلا کر مہینہ سے پہلے ہی فیصلہ کر دیتے تھے، پھر توکل پر گذارہ تھا، اس عالم مین کبھی آسودہ حال رہتے تھے، کبھی ایک آدھ فاقہ بھی گذر جاتا تھا، جب شاگردون کو خبر ہوتی تو ہر ایک کچھ نہ کچھ لیکر ضرور حاضر ہوتا اور کہتا کہ "آپ ہم کو اپنا نہین سمجھتے کہ کبھی اظہار حال نہین فرماتے" جواب مین کہتے کہ "تم لوگون نے کھلا کھلا کر ہمارے نفس حریص کو فربہ کر دیا ہے" انھون نے جاہ و حشمت سے ظاہر آرائی نہین چاہی، نہ امیرون کے دربار مین جا کر غزلین سنائین، نہ ان کی تعریف مین قصیدے کہے،"

لیکن اکابر شعرائے دلی کی حالت اس سے بالکل مختلف اور اس کے مقابل مین نہایت پست تھی، مومن خان نے تو بے شبہہ مدحیہ قصیدے نہین لکھے، صرف ایک مدحیہ قصیدہ راجہ اجیت سنگھ اور راجہ کرم سنگھ کے شکریہ مین اس وقت لکھا ہے جب انھون نے ان کو ایک ہاتھی دیا تھا، اس کے علاوہ انھون نے کسی کی مدح مین قصیدہ نہین لکھا، وہ اسقدر غیور تھے کہ کسی عزیز یا دوست کا ادنیٰ احسان بھی گوارا نہین کرتے تھے، ان کے تمام قصائد نعت ومنقبت مین ہین، لیکن مومن کے علاوہ ذوق کی نسبت ان کے

سب سے بڑے معتقد اور شاگرد مولوی محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ

"ہر ایک جشن مین ایک قصیدہ کہتے تھے اور خاص خاص تقریبین جو پیش آتی تھین، وہ الگ تھین، جب تک اکبر بادشاہ زندہ تھے، ان کا دستور تھا کہ قصیدہ کہہ کر لے جاتے اور اپنے آقا یعنی ولیعہد بہادر کو سناتے، دوسرے دن ولی عہد ممدوح اس مین اپنی جگہ بادشاہ کا نام ڈلوا کر لے جاتے اور دربار شاہی مین سنواتے"

یعنی ان کا قصیدہ ایک ایسا سانچہ تھا جس مین وہ ہر شخص کو ڈھال لیتے تھے، اور مختلف انسانون کے اوصاف کا اختلاف اس مین بالکل خلل انداز نہین ہوتا تھا،

غالب کی حرص و آز ذوق کی حرص و آز پر بھی غالب تھی، چنانچہ ڈاکٹر عبد اللطیف نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "دلی کے دربار شاہی نے اگرچہ غالب کا خیر مقدم نہایت تپاک سے کیا اور نجم الدولہ دبیر الملک اور نظام جنگ کے خطابات عطا کیے، اس کے ادبی فتوحات کے صلہ مین منصب بھی عطا ہوا، لکھنؤ اور رامپور مین بھی قدر و منزلت ہوئی، اس کے علاوہ اہل علم قدر دانان سخن کی بھی کمی نہ تھی، پھر بھی غالب کو اپنی ادبی کوششون کی ناقدر دانی کی شکایت رہی، مولانا حالی کی مستقل شہادت موجود ہے کہ مرزا غالب مالی حیثیت سے کبھی ناموافق حالات مین گرفتار نہین ہوئے، دوستون اور مربیون کی مالی اعانت کی کوئی انتہا نہ تھی، لیکن باینہمہ غالب کے دل مین قناعت کی لذت کبھی پیدا نہین ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بعض قصائد بالکل فقیرون کی صدا ہوگئے، اور انھون نے نہایت مبتذل طریقہ سے ممدوح کے حضور مین صلہ طلبی کی درخواست کی

نہ کہون آپ سے تو کس سے کہون مدعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہین ذوق آرائش سر و دستار
کچھ تو جاڑے مین چاہئے آخر تا نہ دے باد زمہریر آزار
کچھ خریدا نہین ہے اب کی سال کچھ بنایا نہین ہے اب کی بار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ بھاڑ مین جائین ایسے لیل و نہار
بسکہ لیتا ہون ہر مہینہ قرض اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ مین تہائی کا ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آپ کا بندہ اور پھرون ننگا آپ کا نوکر اور کھاؤن ادھار
میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

غرض غزل مین وہ اخلاقی حقیقت سے جسقدر بلند تھے اسی قدر قصیدہ مین پست ہوگئے، قصیدے کے ان اشعار سے ان کی غزل کے ان اشعار کا مقابلہ کرو، تو یہ نشیب و فراز نہایت واضح طور پر نمایان ہوگا،

بے طلب دین تو مزا اس مین سوا ملتا ہے وہ گدا جس کو نہ ہو خوے سوال اچھا ہے
بخشش بہ دو جہان کے آئی تھی ہمت دہر لیکن نہ یان زبان تک حرف سوال آیا
سر کی ہے قدر تو ہر بار سے پیچ منت سایۂ دیوار نہ کھینچ
دونون جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین
نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم لے لیا مجھ سے میری ہمت عالی نے مجھے

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی شاعر کے اشعار سے اس کے کیرکٹر کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا صحیح نہین ہے، عربی شعراء مین ابو العتاہیہ زہد و قناعت کے مضامین نہایت کثرت سے باندھتا تھا، لیکن اس سے زیادہ کوئی شاعر حریص بھی نہ تھا، لیکن باینہمہ دریوزہ گری ایمہ ان مین شعراء کی قدر و منزلت قائم تھی، بڑے بڑے شاہنشاہ شعراء کو تخت پر اپنے برابر بٹھاتے تھے، سلجوقیون کا سب سے بڑا تاجدار سنجر انوری کی بات اس کے گھر ملنے جاتا تھا، عباس صفوی نے شفائی کی تعظیم کے لئے عین کوبہ سواری کے وقت گھوڑے سے اتر جانا چاہا، اردو شعراء اگرچہ اس درجے کو نہین پہنچے تاہم وہ بھی کبھی ذلیل و خوار نہین ہوئے اور امراء و سلاطین کی رونق محفل بنے رہے،

لیکن جب یہ بالکل مٹ گیا اور شاعری کے اخیر دور کے بعد جب دورِ جدید شروع ہوا تو شعراء کی حالت بالکل نہ بہ ہو گئی، اب نہ امراء و سلاطین کے دربار رہے، نہ قصیدہ گوئی اور صلہ و انعام کا رواج رہا، اس لیئے ایک مدت تک تو دورِ جدید کے شعراء کس مپرسی کی حالت مین رہے، اب چند دنون سے پبلک مشاعرون کا عام رواج ہوا ہے، اس مین دورِ جدید کے برگزیدہ شعراء محنتانہ اور سفر خرچ دیکر بلائے جاتے ہین، پہلے تو خط و کتابت کرکے یہ محنتانے بڑی رد و قدح کے ساتھ طے کیئے جاتے ہین، پھر مشاعرے مین آکر یہ شعراء اپنی ایک غیر طرحی غزل نہایت ترنم ریز لہجے مین سنا کر پبلک سے داد اور صاحبِ مشاعرہ سے اپنا طے شدہ محنتانہ اور سفر خرچ لیکر واپس جاتے ہین اور بعض تو ایسے پست و مبتذل ہوتے ہین کہ فیس اور سفر خرچ پیشگی وصول کرکے کھا جاتے ہین، اور بعض مشاعرہ مین آنے کے بعد طے شدہ رقم سے زیادہ کے طالب ہوتے ہین اور اس کے لیئے جھگڑتے ہین، اس لیئے اس زمانہ کے شعراء کی اخلاقی حالت پرانے قصیدہ گو شعراء سے بھی زیادہ گئی گذری ہو گئی ہے، اور چونکہ آجکل کے مشاعرے عموماً غیر طرحی ہوتے ہین، اس لیئے دورِ جدید کا شاعر اپنی ایک ہی غزل کا اعادہ مختلف مشاعرون مین کرتا رہتا ہے،

دورِ قدیم کا ہر شاعر متعدد دیوانون کا مالک ہوتا تھا جس مین حروفِ تہجی کے اعتبار سے ردیف وار غزلین درج ہوتی تھین لیکن اب اکثر شعراء کے پاس تو صرف ایک قلمی بیاض ہوتی ہے، اور بعض شعراء نے چھوٹے چھوٹے دو اوین بھی جمع کرکے چھپوا دیئے ہین، جن کا زیادہ تر حصہ شاعری کی حقیقت، شاعر کی سوانح عمری، اس کی شاعری کی نشو و ارتقا کی تاریخ، احباب کی تقریظ و تنقید اور پیش لفظ پر مشتمل ہوتا ہے، اس طرح شاعری کو بجائے ترقی کے تنزل ہوتا جاتا ہے،

قدیم دور مین شاعری کی ترقی مین امراء و سلاطین کی فیاضیون سے زیادہ جس چیز نے شاعری کو ترقی دی وہ ان امراء و سلاطین کی قابلیت اور نکتہ سنجی تھی جریر نے خلیفہ عبد الملک کے سامنے قصیدہ پڑھا اور اسکی تمہید اس شعر سے کی

اتصحوام فوادک غیرصاحی

تو ہوش مین آئے گا یا تیرا دل ہوش مین نہین آئے گا،

اگرچہ شاعر نے اس مصرع مین خود اپنے آپ کو مخاطب کیا تھا، تاہم چونکہ اس کا مخاطب عبد الملک بھی ہو سکتا تھا، اس لیئے عبد الملک نے اس طرزِ خطاب کو نہایت ناپسند کیا،

ایک بار ذو الرمہ نے عبد الملک بن مروان کے سامنے قصیدہ پڑھا،

ما بال عینک منہا الماء ینسکب

تمھاری آنکھ کی کیا حالت ہے کہ اس سے آنسو بہتے رہتے ہین

ذو الرمہ نے خود اپنے آپ سے خطاب کیا تھا، لیکن چونکہ عبد الملک کی آنکھون مین آشوب تھا، جن سے آنسو بہتے رہتے تھے، اس لیئے اس نے خیال کیا کہ ذو الرمہ نے اس کو یا تو مخاطب کیا ہے یا اس پر تعریض کی ہے، اس لیئے اس کو سخت ناگوار ہوئی، اور ذو الرمہ کو دربار سے نکلوا دیا، اسی طرح ہشام بن عبد الملک کے سامنے ابو نجم نے یہ قصیدہ پڑھا،

والشمس قد کادت ولما تفعل کانھا فی الافق عین الاحول

چونکہ ہشام احول تھا اس لیئے اس کو سامنے سے ہٹا دیا،

ایک بار نعمان بن منذر نے ایک سایہ دار درخت دیکھا جو پھولون سے لدا ہوا تھا وہین اتر پڑا اور خورد و نوش کا سامان کر دیا، تا کہ اس منظر سے لطف اندوز ہو لیکن ایک شاعر نے کہا کہ "یہ درخت کیا کہتا ہے؟" نعمان نے پوچھا "کیا کہتا ہے؟" اس نے یہ اشعار پڑھے

رب رکب قد اناخوا حولنا یشربون الخمر بالماء الزلال

بہت سے قافلے ہمارے نیچے اترے اور خالص پانی ملا کر شراب پینے لگے

عطف الدہر علیہم فتوا وکذاک الدہر حال بعد حال

لیکن زمانے کی گردش نے انکو ہلاک کر دیا اور زمانہ کا یہی حال ہے کہ ابھی کچھ ہے اور ابھی کچھ

اُس نے پند وموعظت کی غرض سے یہ اشعار کہے تھے، لیکن چونکہ یہ پند وموعظت کا کوئی موقع نہ تھا،
اس لیے نعمان کو سخت ناگواری پیدا ہوئی، اور دسترخوان کو سامنے سے ہٹا دیا،

امرا و سلاطین کی اس قسم کی اور بہت سی تنقیدیں عربی علم ادب کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن سے
اہل ادب نے قصیدہ گوئی کے متعدد اصول بنائے ہیں،

عرب کی طرح ایران میں بھی امرا و سلاطین نے شعرا پر نہایت عمدہ تنقیدیں کی ہیں، جن سے
شعرا اپنے کلام کی اصلاح کرتے تھے اور اس کو ترقی دیتے تھے، ظفر خان صوبہ دار کشمیر کی تنقیدوں سے
مرزا صائب کے کلام میں جس طرح ترقی ہوئی اس کا اعتراف خود مرزا صائب نے ایک شعر میں کیا ہے،

توجان زدخل بجا مصرع مرا دادی   تو از فصاحت دادی خطاب سحبانم

ایک دفعہ خاقانی نے شروان شاہ کو یہ شعر لکھ بھیجا:—

وثیقہ دہ کہ دہ بدرم گیرد   یادشاقے کہ در دستی گیرم

شروان شاہ نے سوال بھیجا کہ "چرا ہر دو نخواست" یعنی دونوں چیزیں کیوں نہیں مانگیں، خاقانی نے
ایک تختی کے بال دیر بوچ کر بھیجا کہ میں نے بادشاہ سے "وا" لکھا تھا، کسی نے ایک نقطہ دیکر ہے کو بے کر دیا، غرض
ابتدائی امرا و سلاطین کی نکتہ سنجی اور نکتہ آموزی نے شاعری کا قالب بدل دیا ہے،

چنانچہ اکبری دور میں فارسی شاعری نے جو نیا دلکش اسلوب اختیار کیا، وہ حکیم ابوالفتح گیلانی کی
نکتہ آموزی کا نتیجہ تھا، مآثر رحیمی میں ہے،

سخندان و شعر سنجان این زمان را اعتقاد آنست کہ تازہ گوئی کہ درین زمان درمیانہ شعرا
مستحسن ست شیخ فیضی و مولانا عرفی شیرازی وغیرہ بآن روش حرف زدہ اند باشارہ و تعلیم
ایشان یعنی حکیم ابوالفتح گیلانی بودہ،

جزئی تنقیدوں کے علاوہ فارسی شاعری کا بہترین سرمایہ انہی قدردانِ سخن کی ایما سے فراہم ہوا،

سامانیوں نے دقیقی سے شاہنامہ کی بنیاد رکھوائی، سلطان محمود نے اس کی تکمیل کرائی، نظامی نے مخزن اسرار
بہرام شاہ کے اشارے سے لکھی، منوچہر شروانی نے خواجہ نظامی کو اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر لیلیٰ مجنون کی فرمائش
کی، سلطان غیاث الدین قنغری نے نظامی سے ہفت پیکر لکھوائی،

محتشم کاشی نے جب عباس صفوی کی مدح میں قصیدہ لکھا تو اس نے کہلا بھیجا کہ میری مدح سے کیا
فائدہ، جگر گوشۂ رسول کی شان میں کچھ لکھو تو دین و دنیا دونوں ہاتھ آئیں، محتشم نے امام حسین علیہ السلام کا
مرثیہ لکھا، جس کی نسبت عام اتفاق ہے کہ فارسی شاعری اس کی نظیر سے خالی ہے،

امرا و سلاطین شعرا سے واقعہ نگاری کا کام بھی لیتے تھے، کیونکہ امرا و سلاطین کے یہاں شاہی تاریخ
لکھنے کا بھی دستور تھا، یعنی خود بادشاہ کے حکم سے اور بادشاہ کی نگرانی میں سلطنت کے تمام فتوحات اور واقعات لکھے
جاتے تھے، مثلاً شاہجہان نامہ، اور اقبالنامہ وغیرہ، اس قسم کی تاریخیں شعرا سے نظم میں لکھوائی جاتی تھیں، اور ان کو
شاہنامہ کہتے تھے، یا کبھی خود اس کے نام سے موسوم کرتے تھے، مثلاً ہاتفی نے تیمور کے حال میں تیمور نامہ لکھا، قاسمی
گونابادی نے عباس صفوی کے واقعات نظم کیے، کلیم نے شاہجہان نامہ لکھا، آذری نے بہمنیوں کے حالات نظمبند
کیے، جو بہمن نامہ کے نام سے مشہور ہے، وہ ناتمام رہ گیا تھا، نظیری اور سامعی نے پورا کیا، فیضی نے اکبرنامہ
لکھنے کا ارادہ کیا تھا، اور کچھ لکھا بھی تھا، لیکن پورا نہ کر سکا، حضرت امیر خسرو نے تغلق نامہ لکھا تھا، اور جہانگیر کو
یہ کتاب بہت پسند تھی، لیکن اس کی ایک داستان گم ہو گئی تھی، ۱۰۱۹ھ میں حکم دیا کہ دربار کے شعرا اس گمشدہ
داستان کو نظم کر کے پیش کریں، سب نے فکر کی، لیکن حیاتی کاشی کی نظم جہانگیر کو سب سے زیادہ پسند تھی، اور اس کے
صلے میں اس کو اشرفیوں میں تلوا دیا،

اردو شاعری کے قدردانوں میں اگرچہ اس قسم کے نقاد کم پیدا ہوئے تاہم اردو زبان ان قدردانوں
کے احسانات سے بالکل سبکدوش نہیں ہے، چنانچہ سید انشا نے دریائے لطافت میں بعض امرا کی ایجادات
و اختراعات کا تذکرہ کیا ہے، مثلاً نواب عماد الملک کی نسبت لکھتے ہیں،

دیگر نواب عماد الملک مغفور کہ موجد بیشتر قوانین این زبان است و نکاتش ہمہ مقبول،

نواب سعادت علی خان نے اردو زبان اور اردو شاعری پر جو احسانات کیے ہیں، سید انشا نے دریائے لطافت میں متعدد موقعوں پر ان احسانات کا تذکرہ کیا ہے، ایک موقع پر لکھتے ہیں،

در وقت حضرت پیر و مرشد چہ بہ عبارات باآئین جدید و طرز ولغریب، و تحقیق الفاظ و ملاحظہ فصاحت و مراعات بلاغت و لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی و خستگی نغز و ایجاد چیزہائے نو بسیار است و سوائے اشخاص فصیح و قابل و لائق صحبت ہیچ کس پسند خاطر ملکوت ناظر نیست،

لکھنؤ میں متوسطین کے زمانے میں تحقیق الفاظ و اصلاح زبان کا جو ذوق پیدا ہوا اس کی داغ بیل نواب سعادت علی خان وغیرہ کے دور میں پڑ چکی تھی، جس کو شیخ ناسخ اور ان کے تلامذہ میں میر علی اوسط رشک وغیرہ نے ترقی دی، اور متاخرین کے دور میں حکیم سید ضامن علی جلال، اور منشی امیر احمد مینائی نے اردو لغت پر جو کتابیں لکھیں، وہ حقیقت انہی امرا کی قدر دانیوں کا نتیجہ ہیں، لیکن دور جدید میں کیا ہو رہا ہے؟ بڑے بڑے مشاعرے ہو رہے ہیں، ترنم خیز لہجے میں غزلیں، نظمیں اور رباعیاں پڑھی جاتی ہیں، بلکہ کبھی کبھی ٹھمری، دادرا اور گیت بھی، لیکن شعرا کے پاس شاعری کا کیا سرمایہ ہے؟ عموماً ایک چھوٹی سی بیاض اور کبھی کبھی ایک چھوٹا سا مجموعۂ اشعار، نہ تحقیق الفاظ کی پروا، نہ صحت محاورہ کا خیال، نہ متروکات کی طرف توجہ، نہ شاعری کے مسلمہ اصول و قواعد کی پابندی کہ یہ سب چیزیں آزادیٔ خیال کی راہ میں سنگ گران ہیں، مشہور شعرا اس زمانے میں بھی ہیں لیکن دور قدیم، دور متوسطین بلکہ دور متاخرین کے اساتذہ کے مقابل میں ان کی کیا وقعت ہے؟ قدما، متوسطین اور متاخرین کے زمانے میں ہر استاد تلامذہ کا ایک مخصوص حلقہ رکھتا تھا، جن میں بعض خود استادی کا درجہ رکھتے تھے، لیکن اس زمانے کے مشہور شعرا کا یہ حال ہے کہ ؎

اکیلے پھر رہے ہیں یوسف بے کارواں ہو کر

نہ ان کا کوئی استاد ہے، نہ یہ خود کسی کے استاد ہیں، اس سے زیادہ شاعری اور شاعروں کے ساتھ شاعر کی بے دینی کیا ہو سکتی ہے؟

امام بیہقی کی ایک لطیف تصنیف

کتاب المدخل الی السنن

از جناب محفوظ الکریم صاحب معصومی ایم اے اُستاد مدرسۂ عالیہ کلکتہ

(۴)

پیش نظر نسخہ کے اصول دو قدیم نسخے ہیں، چنانچہ ان دونوں کے اختلافات پر جا بجا تنبیہ موجود ہے، ان میں سے ایک نسخہ کے لئے "مُ" اور دوسرے کے لئے "صُ" کی علامتیں استعمال کی گئی ہیں، نسخہ "صُ" کی تاریخیت خود کاتب نے بہ تصریح ظاہر کر دی ہے، لیکن نسخہ "مُ" کے متعلق پورے مخطوطہ میں کوئی اشارہ موجود نہیں کہ اس کے بارہ میں صحیح رائے قائم کی جائے، البتہ ہمارا ذاتی طور پر یہ قیاس ہے کہ نسخہ "مُ" سے شیخ ابن الصلاح کے شیخ منصور بن عبد المنعم الفراوی کا نسخہ مراد ہو تو عجب نہیں، نسخہ "صُ" اس اعتبار سے نسخہ "مُ" پر فوقیت رکھتا ہے کہ اس میں جو زیادات پائے جاتے ہیں وہ نسخہ "مُ" میں نہیں ہیں، مثلاً باب ما یستحب للعالم من توقی المشتبہات کی آخری سطریں جن کی ابتدا دقد روی مرفوعاً الخ سے ہوتی ہے ان میں سے سطر اول پر خط تنبیہ اور اس کے محاذات میں حاشیہ پر یہ تحریر ہے کہ: سقط من "مُ" من ھنا الی اٰخر الباب وثبت فی ص "، اسی قسم کی تنبیہات دوسرے مقاموں میں بھی لگی ہیں نسخہ ص کی اصلیت جن تعلیقات سے ظاہر ہوتی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں کہ

(۱) ایک سند میں، العباس بن سالم التجیبی کی نسبت "التجیبی" پر خط تنبیہ اور اس کے بالمقابل حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے: قال الصاین بن عساکر صوابہ اللخمی (ورق: ۲۸)

(۲) باب لا یحدث قوما حدیثاً لا تبلغہ عقولھم کی آخری روایت اس طرح شروع ہوتی ہے: اخبرنا الشیخ ابو عبد الرحمن السلمی ثنا محمد بن صبح الجوھری الخ السلمی پر خط تنبیہ ہے اور

حاشیہ پر یہ تحریر ہے: بخط الصاین بن عساکر زیادۃ فی جمادی الاولیٰ سنۃ ثلاث وخمسین (ورق ۱۴)

(۳) ایک روایت کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: أخبرنا ابو حازم الحافظ انبا ابو الحسین محمد بن محمد بن یعقوب الخ اس سطر کی محاذات میں یہ تحریر نظر آتی ہے: بخط الصاین فی حاشیۃ اصلہ زیادۃ فی سنۃ سبع فی ذی الحجۃ، اسی صفحہ میں ابو حازم الحافظ کی ایک اور روایت مذکور ہے، اور بالمقابل یہ الفاظ مرقوم ہیں: وبخط الضیاء زیادۃ فی سنۃ سبع فی ذی الحجۃ (ورق ۴۴)

تصریحات بالا سے یہ بالکل واضح ہے کہ نسخہ "ص" سے مراد صاین الدین ابن عساکر (المتوفی سنہ ۵۶۳ھ) کا نسخہ ہے، الصاین کا پورا نام[1] ہبۃ اللہ بن الحسین بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ ہے، جو مشہور حافظ حدیث ابو القاسم بن عساکر کے برادر بزرگ اور شیخ ہیں، کتاب السنن الکبریٰ للبیہقی کے اصول النسخ میں بھی الصاین کے نسخہ کا شمار تھا، چنانچہ طبع[2] حیدر آباد میں اس کے بعض اجزا کا حوالہ آتا ہے (در ابن الصلاح کے حلقۂ سماع کا نسخہ جن اصول کے معارضہ سے تیار ہوا تھا ان میں سے ایک اصل اگرچہ حافظ ابو القاسم ابن عساکر کی طرف منسوب ہے، لیکن بہت ممکن ہے کہ یہ نسخۂ الصاین ابن عساکر کا ہو اور بعد میں چھوٹے بھائی کے قبضۂ تصرف میں آگیا ہو اس خیال کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ کتاب السنن کے اس اصل کی علامت شیخ ابن الصلاح[3] نے "ص" بتائی ہے۔

مخطوطہ کے آخری ورق (۵) کے دونوں صفحوں میں اس کتاب کے سماعات کی یادداشتیں ہیں، خصوصاً (ورق ۵ ب) تو صرف سماعات ہی سے پر ہے، ان میں سے اکثر مجالس میں اسی نسخہ کا پیش نظر رہنا ظاہر ہوتا ہے: اس نسخہ کی تاریخی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے سماعات کی تفصیل ضروری ہے۔

[1] طبقات شافعیہ (جلد ۴ ص ۳۲۰) [2] وفیات (ترجمہ ابو القاسم بن عساکر رقم ۴۵۲) [3] السنن الکبریٰ جلد ۳ ص ۴۹۱، ۴۹۲، "الصابر" بجائے "الصاین" مصحف ہے [4] ایضاً جلد ۱ ص ۳۵۱

(الف) اس نسخہ میں پہلی دفعہ شیخ ابن الصلاح شہرزوری[1] (۵۷۷-۶۴۳ھ) کی مجلس درس میں سماع کیا گیا جس کی آخری تاریخ ۱۰ رجب سنہ ۶۳۵ھ ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب ابن الصلاح دار الحدیث الاشرفیہ (دمشق) میں مسند آرائے مشیخت تھے، سامعین میں عبید اللہ بن محمد بن محمد الموصلی[2] اور مجالس سماع کے قاری شیخ مجد الدین الاسفرائینی[3] کے علاوہ اور نام مذکور نہیں، سماع کی عبارت جو ذیل میں مندرج ہوگی جیسا کہ اس کے آخری الفاظ سے مترشح ہے، عبید اللہ الموصلی کی نگارش قلم کا نمونہ ہے، مجالس سماع کی تعداد غیر مصرح ہے، لیکن اسی قلم سے پورے مخطوطہ میں ہر مجلس کے خاتمہ پر یادداشت تحریر ہے، مثلاً ورق ۲ (الف) میں حاشیہ پر "بلغ سماعاً وعرضاً فی الثلاثین ولله الحمد" مرقوم ہے، اور اسی قسم کی تحریریں "الثرا ما بلغ سماعاً وعرضاً" کے الفاظ کے ساتھ کل سترہ مواقع میں پائی جاتی ہیں، آخری تحریر مجلس "السادس والخمسون" کے خاتمہ پر ورق ۵۳ (ب) میں نظر آتی ہے، اس لحاظ سے پوری کتاب کا سماع ستاون مجلسوں میں ختم ہوا ہوگا، بہرحال سماع کی اصل عبارت پیش کی جاتی ہے:-

بلغت سماعاً لجمیعہ وعرضاً لمعظمہ علی شیخنا الامام العالم العامل
الحافظ المتقن المفتی تقی الدین ابی عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن
بن عثمان[4] بن موسیٰ بن ابی نصر النصری الشہرزوری یعرف بابن الصلاح

[1] ترجمہ کے لئے دیکھو: ابن خلکان (وفیات الاعیان: رقم ۴۲۲) ذہبی (تذکرۃ: جلد ۴ ص ۲۱۴) سبکی (طبقات جلد ۵ ص ۱۳۷) راغب الطباخ (مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۴۱۹-۴۲۲) وغیرہ [2] کتاب السنن کی قراءت بھی مجد الدین الاسفرائینی نے کی تھی اور سامعین کی فہرست میں شرف الدین احمد بن محمد بن عبد اللہ الموصلی کا نام بھی شامل ہے (السنن الکبریٰ: جلد ۸ ص ۳۴۶) [3] طبقات کے مطبوعہ نسخہ سے ساقط ہے، [4] السنن الکبریٰ کے مخطوطہ میں "البصری" ہے طباعت میں اس کی تصحیح نہیں کی گئی ہے، ابن خلکان کی تصریح ہے کہ "النصری" (بالنون) ابو نصر کی طرف نسبت ہے جو ابن الصلاح کے اسلاف میں ہے۔

بارك الله فی بقیته وبوأه[1] اعلى المنازل من جنته، بسماعه من الشیخ
الجلیل الاصیل ابی بکر منصور[2] بن عبد المنعم بن ابی البرکات عبد الله بن
الامام ابی عبد الله محمد بن الفضل بن احمد الصاعدی الفراوی
النیسابوری، قال انا ابو المعالی محمد بن اسمٰعیل بن محمد الفارسی قال انا
الامام الحافظ ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسی البیہقی رحمهم الله،
وصح ذلك اجمع بقراءة الشیخ مجد الدین ابی عبد الله محمد بن محمد بن عمر ابن
الصفار الاسفرائینی، فی مدة آخرها عشیة یوم الاثنین الثامن عشر من
رجب لسنة خمس وثلاثین وست مئة (۶۳۵ھ)، بدار الحدیث الاشرفیة
من دمشق، ثم سبق سماعی لجمیع هذا الکتاب ایضاً علی شیخنا تقی الدین
المذکور، ما خلا من باب توقیر العالم والعلم الی قوله اخبرنا ابو
الحسین بن بشران[3] العدل ببغداد وذلك فی وسط باب من کره کتابة العلم
وامر بحفظه، وذلك ایضاً بقراءة مجد الدین المذکور فی مجالس آخرها

---

[1] اس جملہ سے بادی النظر میں یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اس عبارت کی تحریر سے پہلے ہی ابن الصلاح کا وصال ہو چکا تھا لیکن ایسا سمجھنا غلط ہے اس لئے کہ یہ جملہ بطور دعا ہے چنانچہ السنن الکبریٰ کے سماع کی روئداد میں بھی اسی مفہوم کا جملہ ملتا ہے "أیده الله بطاعته، وأثابه الجنة برحمته" اگر ابتدائی الفاظ حذف کر دیئے جائیں تو بقیہ الفاظ سے بھی وہی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے (السنن جلد ۱، ص ۴۶۴) [2] الفراوی المنعم الفراوی (سمعانی ورق ۴۱۴) منصور بن عبد المنعم شیوخ شاہیر سے ہیں (۵۲۳ ـ ۶۰۸ ہجری) ان کی کنیتیں مختلف ہیں، ابو الفتح (دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۶۰) ابو القاسم (ایضاً ص ۱۷۵) ابوبکر (ایضاً ص ۹۵)، اسی بنا پر محدثین کے یہاں ذو الکنیٰ مشہور ہیں (القسطلانی: جلد ۱، ص ۵، النووی شرح مسلم زیرہ حاشیہ، جلد ۱ ص، تدریب للسیوطی: ص ۴۲۳ وغیرہ [3] عروۃ بن الزبیر کی روایت جو اسی مضمون میں گذر چکی ہے۔

سلخ شهر رمضان سنة خمس وعشرین وستمائة بمدرسة ابن رواحة
من دمشق ولله الحمد، وکتب عبید الله احمد بن محمد بن عبد الله بن
ابی بکر الموصلی ثم الدمشقی الشافعی غفر الله لهم وعفا عنهم وعن المسلمین
اجمعین آمین والحمد لله حمداً کثیراً"۔

اس عبارت سے متصل سماع کی توثیق میں مختلف سیاہی وقلم کی مندرجہ ذیل تحریر ہے جسے ہم شیخ ابن الصلاح کے آثار قلم میں شمار کرتے ہیں:۔

"صح له ذلك نفعه الله وایای وکتب عثمان بن عبد الرحمن بن
عثمان غفر الله له ولهم آمین"۔

(ب) حافظ ابن الصلاح کی مذکورۂ بالا تحریر کے بعد ہی ان کے مشہور شاگرد عمر[1] بن یحییٰ الکرجی (۵۹۹ ـ ۶۹۰ ہجری) جن کو شیخ موصوف کی مصاہرت کا شرف حاصل تھا، کے سماع کی روئداد ہے جس کی توثیق مذکورہ تحریر ہی سے کی گئی ہے، اور جہاں تک سواد وقلم کی مشابہت کا تعلق ہے دونوں تحریریں وقت کے اعتبار سے توأم معلوم ہوتی ہیں، اس سماع کی دو تاریخیں ہیں، اخیر رمضان ۶۲۵ھ میں پہلی دفعہ، در ماہ رجب ۶۲۸ھ میں دوسری دفعہ سماع کا اختتام ہوا، سماع اول کی مجالس میں مجد الدین اسفرائینی قاری تھے اور اس سماع میں بجز بعض مجلسوں کے عبید اللہ الموصلی بھی شریک رہے ہیں جیسا کہ گذشتہ عبارت کی تصریح ہے، الکرجی نے دوسری دفعہ خود قرأت کی اور رجب ۶۲۸ھ میں سماع ختم ہوئے، چنانچہ اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"سماع لعبید الله عمر بن یحییٰ بن عمر الکرجی بقراءته فی مدرسة

---

[1] سبکی (الطبقات: جلد ۵، ص ۱۴۵)، ابن کثیر (البدایہ: جلد ۱۳، ص ۳۲۶، طباعت میں الکرخی بالخاء لکھا ہے یعنی تصحیف ہے) شذرات الذہب (جلد ۵، ص ۴۱۴)

ابن رواحة فی رجب سنة ثمان وعشرین وستمائة (۶۲۸ھ) عنه وبقراءة الشیخ
المحدث الزاهد الورع مجد الدین محمد بن محمد بن القاسم بن ابی بکر بن
منصور بن ابی سعد الصفار الاسفرائینی فی مدرسة ابن رواحة فی
مجالس آخرها سلخ رمضان سنة خمس وعشرین وستمائة (۶۲۵ھ)"۔

مخطوطہ کی تاریخ کے پیش نظر یہ بات واضح ہو کہ عمر بن یحیی الکرجی کے سماع میں یہ نسخہ نہیں ہوگا اور سماع کی یہ عبارت تاریخ سماع سے کئی سال بعد لکھی گئی ہوگی، ممکن ہو کہ اس نوشتہ کی تاریخ وہی ہو جو الموصلی کے اختتام سماع کی ہے: اس سلسلہ میں کسی قطعی نتیجہ تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں، لیکن آئندہ معلوم ہوگا کہ یہی نسخہ الکرجی کی ملکیت و تصرف میں بھی رہ چکا ہے۔

(ج) امام ابن الصلاح کے حلقہ درس کے بعد خانوادۂ بنو عساکر کی ایک محدثہ الشیخۃ الجلیلہ ام العرب فاطمہ بنت علی کے حلقۂ درس میں اس کتاب کے سماع کی اطلاع ملتی ہے، سامعین میں مشہور حافظ حدیث یوسف المزی (م ۷۴۲ھ) بھی نظر آتے ہیں، قرأت صفی الدین[۱] محمود الارموی نے سنہ ۶۶۶ھ میں کی تھی، اور کاتب السماع خود حافظ مزی تھے، سماع کی انتہا دس مجلسوں میں ہوئی، آخری تاریخ مورخہ ۲۰ رمضان المبارک ۶۶۶ھ ہے، پوری عبارت بخط نسخ جلی گہری سیاہ روشنائی سے لکھی ہے، جو حسب ذیل ہے:-

سمع هذا الکتاب علی الشیخة الجلیلة الاصیلة ام العرب فاطمة بنت علی
بن القاسم بن الحافظ ابی القاسم علی بن الحسن بن هبة الله بن عساکر باجازتها
من منصور بن عبد المنعم ا... عن الفارسی عن البیهقی بقراءة صفی الدین

۱؎ حالات کے لئے دیکھئے سبکی طبقات جلد ۵ ص ۱۵۰، ابن کثیر البدایہ جلد ۱۳ ص ۱۵۱، ابن العماد شذرات (۵/ ۱۳۲)

۲؎ دیکھئے ابن کثیر البدایہ جلد ۱۴/ ۱۹۱، ذہبی تذکرہ ۴/ ۲۸۰، سبکی (۶/ ۲۵۱)، ابن حجر الدرر ۴/ ۴۵۷، شذرات (جلد ۶/ ۱۳۶)

محمود بن ابی بکر الارموی[۱] تقی الدین سعید بن سالم بن عمار الاربلی
وکاتب السماع یوسف بن الزکی عبد الرحمن بن یوسف المزی وآخرون
فی مجالس عشرة، آخرها یوم السبت السادس من رمضان سنة
سبع وستین وستمائة (۶۶۷ھ) بمنزلها بدمشق، وکان لکاتبه فوت وهو
المجلس الرابع فاعاده لنفسه اوله: باب بیان ابطال ما یحتج به بعض من
رد الاخبار الا..."

(د) اسی صفحہ کے حاشیہ پر طولاً باریک خط نسخ میں ایک اور سماع کی مفصل روداد مرقوم ہے، لیکن امتداد ایام کے علاوہ ترمیم و جلد سازی کی بے احتیاطی کے باعث عبارت جابجا مٹ چکی ہے، تاہم بیشتر حصہ صاف اور واضح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کے دو مشہور شیوخ کے حلقہ تحدیث میں اس کتاب کا سماع کیا، اور کل سات نشستیں ہوئیں، آخری نشست کی تاریخ نہم ربیع الآخر ۶۸۹ھ ہجری ہے، پوری عبارت تیرہ سطروں میں ہے، ان میں سے آٹھ سطریں حاشیہ پر طولاً اور بقیہ سطریں طول میں ہونے کے باوجود مختصر ہیں، اس لئے کہ یہ سطریں سماع مذکورہ (ج) کے نیچے باقی بیاض کو پر کرتی ہیں، ہم ان سطروں کو ظاہر کرنے کے لئے بین القوسین بھی لکھ دیتے ہیں:-

(۱) ...... والعلامة مفتی المسلمین تاج الدین ابی ابراهیم ... عبد الرحـ
... هیم بن سباع الفزاری ...... (۲) ...... عبد الله بن (عمر)[۲]
ان (احمد)[۳] بن منصور[۴] ابن الصفار بسماعه من الامام فقیه الحرم ابی عبد الله

۱؎ الارموی اکثر مجالس میں قاری نظر آتے ہیں، آئندہ سماع میں بھی قاری یہی ہیں، اور بعض سماعات میں قرأت کے لئے دیکھئے (فہرست کتبخانہ خدا بخش: جلد ۵/ ۱۰۰، حصہ دوم، وغیرہ) ۲؎ حرف ع اور الف دونوں مٹے ہوئے ہیں ۳؎ الشونی ۶۰۶ھ ہجری، طبقات السبکی میں احمد المنصور چھپا ہے (جلد ۵/ ۸۰) صحیح احمد بن منصور ہے (ایضاً السبکی: جلد ۴/ ۲۸) نیز شذرات (جلد ۴ تحت ۵۲۶ھ، ایضاً ص ۱۶۰) ۵؎ ضائع شدہ ابواب میں سے ہے۔

محمد بن احمد بن الفضل الفراوی، ومن الشیخ ابی الفتح منصور بن عبد المنعم[1] بن عبد اللہ الفراوی بسماعہ من ابی المعالی محمد بن اسماعیل بن محمد الفارسی ...... (۳) .... عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المرسی[1] بسماعہ من منصور الفراوی، قال انا الحافظ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی۔

بقرأۃ الامام العالم المحدث صفی الدین ابی الثنا محمود بن ابی بکر محمد بن حامد الارموی، للسادۃ العلماء الفضلاء ...... (۴) ...... برہیم[2] ولد المسمع ثانی، وکمال الدین[3] ابو العباس احمد بن شیخنا العلامہ[4] جمال الدین محمد بن احمد الشریشی، والدہ (؟) وشمس الدین محمد بن ابراہیم بن یحیی المالکی، وامام الدین عبد الرحیم بن یحیی بن عمر التبریزی وعلاء الدین علی، وبدر الدین ابو الیسر محمد ابنا قاضی القضاۃ عز الدین (محمد) ..... (۵) عبد القادر الانصاری، وبہاء الدین ...... ابراہیم بن شیخنا ابی محمد اسمٰعیل بن ابراہیم بن الیسر وولدہ احمد وشمس الدین محمد بن احمد بن ابراہیم بن سباع الفزاری ومجد الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن علی سبط ابن الحموی[5] وعمہ علاء الدین

---

[1] پورا نام ونسب شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ابی الفضل المرسی ہے دیکھو فہرست کتبخانہ پٹنہ جلد پنجم حصہ ۲/ ۲۰۳) [2] یہ شیخ تاج الدین الفرکاح کے صاحبزادے جن کا نام سطر اول میں مرقوم ہے برہان الدین ابو اسحٰق ابراہیم ہیں (۶۶۰ھ – ۷۲۹ھ ہجری) دیکھو البدایہ والنہایہ (جلد ۱۴/ ۱۴۶) وغیرہ [3] المتوفی ۷۱۸ھ ہجری البدایہ (جلد ۱۴/ ۹۱) الدرر الکامنہ (جلد ۱/ ۵۲) شذرات (جلد ۶/ ۴۷) [4] ابو المعالی سبط ابن الجوبی المتوفی ۶۳۲ھ ہجری الدرر (جلد ۴/ ۱۹۸) شذرات (جلد ۶/ ۵۸)

علی بن علی ...... ابن الصبر .... (۶) وعلاء الدین علی بن ایوب[1] بن منصور المقدسی ولہ فوت من اول الکتاب الی باب ما جاء[2] فی مناولۃ الصحیفۃ والاقرار بما فیہا وسمع کاملۃ الشیخ ابو الثنا محمود بن یونس بن محمود الحمیری وحسام الدین محمد بن شجاع بن عبد القاہر ..... (۷) ..... ابو الحسن علی بن حسن[3] بن علی الارموی، وحمید الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الحمید البخاری، وشمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی بن مخلص القزوینی وابو بکر ابن محمود بن علی الرقی، والشیخ محمد بن سلیمان بن داؤد الجزری وابو العباس احمد بن یحیی بن اسعد ...... (۸) ..... احمد بن ... المعلی (؟) وابنہ احمد واحمد بن نافع بن عبد العزیز القیسی المغربی وابن خال القاری شمس الدین محمد بن جعفر بن محمد بن علی العاملی، وکاتبہ علی[4] بن ابراہیم بن داؤد العطار الشافعی واخرون لصوب ذکروا علی ...... (۹) ...... فی منامۃ وہی موقوفۃ بالمدرسۃ العادلیۃ وعلی نسخۃ بخط عمادہ السمساطیۃ[5] وصح ذلک .... (۱۰) ..... فی سبعۃ مجالس اخرہا یوم الجمعۃ تاسع شہر ربیع الآخر سنۃ تسع وثمانین وستمایۃ (۶۸۹ھ)

---

[1] دیکھو ذیول تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۳، شذرات (جلد ۶ ص ۱۵۳) [2] موجودہ نسخہ میں یہ باب نہیں ہے [3] المتوفی ۷۰۶ھ ہجری الدرر الکامنہ (جلد ۳/ ۳۹) [4] المتوفی ۷۲۵ھ ہجری البدایہ (جلد ۱۴/ ۱۱۷) طبقات شافعیہ (جلد ۶ ص ۱۴۳) الدرر الکامنہ (جلد ۳/ ۵) [5] بضم السین المہملۃ تحقیق کیلئے دیکھو ابن خلکان (رقم ۲۲۳) وغیرہ اس خانقاہ میں ایک بہت بڑا کتبخانہ تھا جو مختلف ذریعوں سے جمع ہوا تھا، ایک مشہور ادیب تاج الدین الکندی (م ۶۱۳ھ) کی کتابیں بھی اسکی وفات کے بعد اسی کتبخانہ میں منتقل ہوئی تھیں (ابن خلکان جز ۱، ۲/ ۶، وستنفیلد، رقم ۲۶۰)

(۱۱) ..... المسمع الاول بسفح قاسیون ظاہر دمشق واجاز المسمعان للجماعۃ المذکورین (۱۲) ... علیہما شیٔ من ہذا الکتاب جمیع ما یجوز لہما روایتہ وتلفظا بذلک (۱۳) ...... والحمد للہ وحدہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم"

اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ سماع دو بزرگ شخصیتوں سے کیا گیا، ان میں سے ایک کے نام میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں کیونکہ حسن اتفاق سے ان کے سیاق نسب کے اجزا بالکل واضح ہیں اور سامعین میں ان کے صاحبزادے ابراہیم کا نام بھی آتا ہے، رہے دوسرے شیخ تو ان کا سیاق نسب بالکل مٹ چکا ہے، اور ان کے متعلق صرف یہی ایک جزو باقی ہے کہ "المسمع الاول بسفح قاسیون الخ" ان کی شخصیت کی تعیین کے سلسلہ میں ہمارے پاس صرف ایک ذریعہ اسی مخطوطہ میں ان تحریروں کا ہے جو سماع کی مجالس سبعہ میں سے ہر مجلس کے خاتمہ پر لکھی گئی ہیں، ان تحریروں کو مذکورہ بالا صورت سماع سے خطی مناسبت ہے، اس لئے ہم بلا التباس کہہ سکتے ہیں کہ ان مجالس میں یہی نسخہ زیر سماع رہا ہوگا، موجودہ اوراق میں یہ تحریر تین جگہ نظر آتی ہے،

۱۔ بلغ السماع علی الشیخین تاج الدین وابن البخاری فی الرابع (ورقۃ ۳)

۲۔ بلغ السماع علی الشیخین تاج الدین وابن البخاری فی المیعاد الخامس (ورقۃ ۴ب)

۳۔ بلغ السماع علی الشیخین تاج الدین وابن البخاری فی السادس (ورقۃ ۴ب)

اس یادداشت کی روشنی میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ "مسمع اول" ابن البخاری ہیں، قاسیون، بکسر سین مہملہ، دمشق کے شمالی جانب ایک پہاڑ جو اپنی عمارتوں، مدارس، رباطوں اور باغوں کی وجہ سے بہت مشہور تھا، اور شام کی تفریح گاہوں میں شمار ہوتا تھا ابن منین اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے،

وفی کبدی من قاسیون حزازۃ تزول رواسیہ ولیس یزول (ابن خلکان)

جن کی شہرت چھٹی صدی ہجری کے نصف آخر میں اوج کمال کو پہنچ گئی تھی، اور وہ اس عہد کے "مسند الدنیا" سمجھے جاتے تھے، پورا نام ونسب ابو الحسن علی[۱] بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمن السعدی المقدسی الحنبلی ہے اور عام طور پر الفخر ابن البخاری کہے جاتے ہیں ۵۹۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۶۹۰ھ ہجری میں وفات پائی اور سفح قاسیون ہی ان کا مدفن بنا، ابن البخاری کی طرف طلاب حدیث کا رجحان ۶۳۰ھ ہجری سے شروع ہوا اور ۶۶۸ھ سے تو ان کے حلقۂ درس میں ازدحام ماتم رہا کرتا تھا، امام ذہبی کے الفاظ سے اس ازدحام کی ایک خاص وجہ معلوم ہوتی ہے کہ

ھو آخر من کان فی الدنیا بینہ	وہ دنیا کے ان محدثین میں سے آخری تھے
وبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم	جن کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک آٹھ ثقہ
ثمانیۃ رجال ثقات،	راویوں کی وساطت سے پہنچتی تھی،

دوسرے شیخ تاج الدین الفزاری جو ابن الفرکاح بھی کہلاتے ہیں، ان کا نام ونسب علامہ سبکی کے سیاق کے مطابق:۔ عبد الرحمن[۲] بن ابراہیم بن سباع الفزاری اور علامہ ابن کثیر کے سیاق میں عبد الرحمن بن سباع بن ضیاء الدین ابو محمد الفزاری ہے، ابن کثیر کے سیاق سے "ابراہیم" ساقط ہے، لیکن شیخ تاج الدین کے لڑکے برہان الدین ابراہیم کے ترجمہ میں یہ سقوط نہیں ہے، الفزاری کی پیدائش ۶۲۴ھ میں اور وفات ۶۹۰ھ ہجری میں ہوئی،

ان دونوں بزرگوں کا اتصال امام بیہقی سے جن طرق کے ذریعہ ہوا، ان کی تنقیح موجودہ عبارت سے نہیں ہوتی، البتہ محمد بن اسماعیل بن عمر الحموی جو امام سبکی کے شیخ ہیں، ان کی ایک سند سے بڑی مدد

---

[۱] شذرات الذہب (جلد ۵ ص ۴۱۴-۴۱۴) نیز ابن کثیر (البدایہ جلد ۱۳/۳۲۴) ابن کثیر نے ابن النجار لکھا ہے جو یقیناً تضعیف کتابت پر مبنی ہے اور ولادت کا سال ۵۷۶ھ ہجری بتایا ہے یہ بھی صحیح نہیں) [۲] طبقات شافعیہ (جلد ۵/۶۰) البدایہ، جلد ۱۳ ص ۳۲۵، طبقات جلد ۴ ص ۳۲۶) مرآۃ الجنان (جلد ۴/۲۱۴)

ملتی ہے، محمد بن اسماعیل الحموی، شیخ تاج الدین الفرکاح اور فخر الدین ابن البخاری دونوں کی طرق سے حدیث قوموا الیٰ سید کم کی روایت کرتے ہیں اور دونوں کے سلسلے امام بیہقی سے جا ملتے ہیں، اس کے بعد یہ روایت سنداً و متناً کتاب المدخل الی السنن کی روایت سے جو باب ماذکر فی القیام لاہل العلم الخ میں ملتی ہے، حرف بحرف متفق ہو جاتی ہے، گرچہ سبکی کی روایت میں کتاب المدخل کی تصریح نہیں، لیکن ہمارا خیال یہی ہے کہ اس کا ماخذ کتاب المدخل ہے، یہی روایت السنن الکبریٰ میں بھی مذکور ہے لیکن بہ اختلاف سند و متن، بہرحال سبکی کی سند حسب ذیل ہے،

أخبرنا محمد بن اسمٰعیل بن عمر الحموی قرأۃ علیہ أخبرنا الشیخ تاج الدین ابن الفرکاح والشیخ فخر الدین ابن البخاری قرأۃ علیہما، قال الاول أخبرنا الامام شرف الدین محمد بن عبد اللہ بن محمد المرسی قرأۃ أخبرنا منصور بن عبد المنعم الفراوی، وقال الثانی أخبرنا منصور المذکور اجازۃ أخبرنا محمد بن اسمٰعیل الفارسی، وقال الثانی ایضاً أخبرنا عبد اللہ بن عمر الصفار اجازۃ أخبرنا محمد بن الفضل الفراوی قرأۃ علیہ: قال اخبرنا ابوبکر البیہقی[۵]

[۱] طبقات شافعیہ (جلد ۵ ص ۶۰-۶۱) یہ روایت بیہقی کی کتاب المدخل سے بنصہ مع فوائد ملحقہ پیش کر دی جاتی ہے،

أخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ ثنا ابوبکر محمد بن احمد بن بالویہ انبا ابو مسلم سلیمٰن بن حرب ثنا شعبۃ عن سعد بن ابراہیم عن ابی امامۃ عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت بنو قریظۃ علیٰ حکم سعد بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیہ وکان قریباً فجاء علیٰ حمار فلما دنا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوموا الیٰ سید کم (طبقات شافعیہ کے یہ اختلافات قابل ذکر ہیں کہ اس میں ابوبکر بن محمد بجائے ابوبکر محمد، ابو مسلم حدثنا سلیمان بجائے ابو مسلم سلیمان، اور ابو اسامۃ بجائے ابو امامۃ ہے) اس روایت کے بعد (باقی حاشیہ ص ۳۷۷)

اس سند کی روشنی میں گذشتہ سماع کی عبارت پڑھیں تو الفزاری اور ابن البخاری دونوں کے سلاسل روایت کا تعین آسان ہو جاتا ہے، ابن البخاری جو عبارت مذکورہ میں مسمع اول قرار دیئے گئے ہیں ان کو منصور بن عبد المنعم الفراوی، (م ۶۰۸ھ) اور عبد اللہ بن الصفار (م ۶۰۰ھ) دونوں سے اجازت ملی، ان میں سے اول الذکر نے ابو المعالی الفارسی (م ۵۳۹ھ) سے اور مؤخر الذکر نے فقیہ الحرم محمد بن الفضل الفراوی (م ۵۳۰ھ) سے اخذ کیا، ابن البخاری کی سند میں تاج الدین الفزاری یعنی مسمع ثانی کی سند کے مقابل علو ہے، اس لیے کہ الفزاری منصور بن عبد المنعم الفراوی سے بہ واسطہ محمد ابن عبد اللہ المرسی روایت کرتے ہیں،

(۵) ورقہ ۵۰ (الف) کے حاشیہ پر حسب ذیل سماعات کی مختصر عبارتیں ہیں،

(الف) دار الحدیث الظاہریہ میں محمد بن عبد الرحمٰن نے عمر بن یحییٰ الکرجی سے سماع کیا جس کی تاریخ ۲، صفر ۶۸۸ھ ہجری ہے، کل (۵۴) مجلسیں منعقد ہوئیں، اکتیسویں مجلس موجود اوراق میں سے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۶) کی عبارت یہ ہے کہ رواہ البخاری فی الصحیح عن سلیمٰن بن حرب واخرجہ مسلم من وجہ آخر عن شعبۃ، انبا ابو عبد اللہ الحافظ (ورقہ ۴۳ ب) قال سمعت محمد بن ابراہیم الہاشمی یقول سمعت احمد بن سلمۃ یقول سمعت مسلم بن الحجاج یقول لا اعلم فی قیام الرجل للرجل حدیثاً اصح من ہذا وہذا القیام علیٰ وجہ البر لا علیٰ وجہ التعظیم امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانصار ان یقوموا الیٰ سید ہم، وقرأت فی کتاب ابی سلیمٰن الخطابی (م ۳۸۸ھ) رحمہ اللہ فی معنی ہذا الحدیث قال فیہ من العلم ان قول الرجل لصاحبہ یا سیدی غیر محظور اذا کان صاحبہ خیراً فاضلاً وانما جاءت الکراہیۃ فی تسوید الرجل الفاجر وفیہ ان قیام المرء بین یدی الرئیس الفاضل والوالی العادل وقیام المتعلم للعالم مستحب غیر مکروہ وانما جاءت الکراہیۃ فیمن بخلاف اہل ہذہ الصفات (کتاب المدخل باب ماذکر فی القیام لاہل العلم وغیرہم علیٰ وجہ الاکرام) السنن الکبریٰ کی روایت کے لیے دیکھئے (جلد ۹ ص ۱۲۳ کتاب السیر)

ورق ۲۲ (الف) پر ختم ہوتی ہے، اصل عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ نسخہ شیخ عمر الکرجی کی ملکیت تھا:۔

بلغ السماع فی الخامس والعشرین بدار الحدیث الظاہریۃ یوم الاثنین سابع عشر من صفر سنۃ ثمان وثمانین وستمائۃ (ستمایۃ) فکمل لی سماع جمیعہ علی مالکہ شیخنا الامام العالم المسند ... عمر بن یحیی بن عمر الکرجی نفع اللہ ... واجاز لی جمیع ما یجوز لہ روایتہ، کتبہ محمد بن عبد الرحمن بن یوسف بن محمد بن العاملی عفا اللہ عنہ ...[۲]

(ب) حافظ مزی کے ایک شاگرد سروجی نے اسی نسخہ میں قرأت کی اور پانچ مجلسوں میں کتاب ختم کی، مقام سماع دار الحدیث الاشرفیہ ہے، تاریخ و سنہ درج نہیں، عبارت ہدیۂ ناظرین ہے:۔

بلغ السروجی قرأۃ فی الخامس علی الحافظ المزی ... بدار الحدیث الاشرفیۃ

سروجی چوتھی مجلس میں ورق ۳۰ (الف) تک پہنچے تھے چنانچہ یہ تحریر حاشیہ پر ملتی ہے:۔

بلغ السروجی قرأۃ فی الرابع علی الحافظ المزی بالاشرفیۃ (ورق ۳۰)

ذہبی کا بیان ہے کہ سروجی، جن کا پورا نام محمد بن علی بن ایبک ہے، ۷۱۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے ۷۳۰ھ کے بعد طلب حدیث میں مصر سے نابلس پہنچے، پھر ۷۳۴ھ میں ان کا ورود دمشق میں ہوا یہاں کے شیوخ جن میں حافظ مزی بھی شامل ہیں سے سماع و اجازت حاصل کی اور حلب پہنچے وہیں ۷۴۴ھ میں وفات پائی۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب المدخل کے سماع کا زمانہ ۷۳۶ھ کے بعد کا ہے،

[۱] بیان پر ایک لفظ غیر مقروء ہے اسکی شکل یہ ہے "صحاک" [۲] پورا جملہ غیر مقروء ہے اصل کی نقل یہ ہے "دمنع امانہ" شاید اسکی صحیح شکل یہ ہو "ومن عمایاتہ" واللہ اعلم [۳] معجم المختص للذہبی (نسخہ مخطوطہ) ورق ۱۰۵ ب/ ۱۳۶، نسخہ جمعیت ایشیو تحت رقم ۶۰، ۱۳ عربی نیز دیکھئے الدرر (۴/ ۵۸) ذیل التذکرۃ للحافظ ابی المحاسن (ص ۶۳) شذرات الذہب،

(ج) مدرسہ رواحیہ[۱] میں محمد بن عبد اللہ الیمانی چار مجلسوں میں اپنی قرأت ختم کرتے ہیں، اس سماع کا تعلق دو شیخ سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن ان میں سے کسی کا نام واضح نہیں، تاریخ سماع ۷۴۴ھ ہجری ہے، عبارت یہ ہے،

"بلغ محمد بن عبد اللہ الیمانی قرأۃ فی الرابع علی الربیع وا[۲] ..... فی الرواحیۃ فی ۹ ذی ..... سنۃ اربع واربعین وسبعمایۃ"

تیسری مجلس ورق ۳۰ (الف) پر ختم ہوتی ہے اور وہاں یہ عبارت ہے:۔

"بلغ محمد بن عبد اللہ الیمانی قرأۃ فی الثالث علی ابن ربیع وابن الحساد (؟) فی الرواحیۃ فی ۹ ذی القعدۃ سنۃ اربع ..... وسبعین (سبعمایۃ)"

(د) اسی مدرسہ میں ابن السراج اس نسخہ میں قرأت کرتا ہے، تاریخ اور شیخ کا نام مذکور نہیں صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں مجلس ورق ۴۲ (ب) پر اور آٹھویں ورق ۴۸ (ب) پر ختم ہوئی، اس ورق کے بعد مخطوطہ میں کہیں اس کا پتہ نہیں، دونوں جگہ کی عبارت علی الترتیب منقول ہے،

"بلغ ابن السراج قرأۃ فی السابع بالرواحیۃ"

"بلغ ابن السراج قرأۃ فی الثامن بالمدرسۃ الرواحیۃ"

ان اطلاعات کے بموجب یہ بالکل واضح ہے کہ زیر بحث مخطوطہ مشہور ائمہ حدیث کے حلقہائے درس و افادہ میں رہا، اور معلوم نہیں کتنی بزرگ ہستیوں کے لئے حرز جان اور کیسے کیسے اعیان مشائخ کی بصارت و بصیرت کا مرکز رہا، ان کی مجالس اور سامعین کی گردش نظر کا محور بنا رہا، غرض یہ اپنی تاریخ کے اعتبار سے بھی باوجود نقص گوہر یکدانہ ہے،

[۱] اس مدرسہ کا بانی ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبد الواحد بن رواحۃ الحموی تھا، (دیکھو ابن خلکان ترجمہ ابن الصلاح) [۲] کذا

مخطوطہ کے حواشی پر ساقط عبارات، جو محدثین کی اصطلاح میں "لحق" کہلاتی ہیں، کے علاوہ جابجا رجال و غریب الحدیث سے متعلق مختصر لیکن مفید و محقق تعلیقات بھی موجود ہیں، ان میں سے بیشتر کی ابتدا "قال شیخنا" سے ہوتی ہے، افسوس کہ ان اوراق میں کہیں شیخ کے نام کی تصریح نہیں پائی جاتی اور نہ قطعی طور پر یہی معلوم ہو سکا کہ یہ مقولہ کس کا ہے، لیکن سواد قلم اور طرز نگارش کی شہادت ہے کہ اس نوعیت کے جملہ تعلیقات سماع اول کے کاتب کے آثار قلم ہیں، اس بنیاد پر ان افادات کی نسبت شیخ ابن الصلاح کی طرف کی جاسکتی ہے اور ہمارے خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اور سماعات کی بہ نسبت شیخ موصوف کی مجالس سماع میں اتنی مدت صرف ہوئی ہے کہ سماع و عرض کے دوران میں الحاقات کی تثبیت، تصحیفات کتابت کی اصلاح اور فوائد و تنبیہات متعلقہ کی تعلیق بہ سہولت ممکن ہو یوں تو شیخ عمر بن یحییٰ الکرجی پر سماع کی مدت بھی کچھ کم نہیں ہے لیکن ان تعلیقات کی نسبت الکرجی کی طرف محل نظر ہے، اولاً اس لیے کہ ان کی مجلس میں صرف محمد بن عبد الرحمن کا ذکر ہے، اور تعلیقات کے ابتدائی الفاظ کے جامع مفہوم میں بلا ضرورت تاویل کی گنجائش نہیں اور ثانیاً اس لحاظ سے کہ اس سماع کی عبارت کو ان تعلیقات سے خطی مشابہت نہیں، تاہم اس سلسلہ میں کوئی قطعی فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا،

ہمارا مضمون کافی طویل ہو چکا ہے، لہذا ان تعلیقات کو کسی دوسری مجلس کے لیے اٹھا رکھتے ہیں اور کتاب المدخل کی آخری روایت پر اس تعارفی مضمون کو ختم کرتے ہیں،

أخبرنا أبو بكر عبد الله بن محمد بن محمد بن صعيد السكري بنيسابور، ثنا أبو سهل طهور بن احمد بن طرون الاستراباذي قدم علينا ثنا محمد بن عثمان الصيدلاني ببلد ثنا المفضل بن محمد الجندي ثنا ابراهيم بن محمد الشافعي قال سألت أبي قلت يا أبه أي العلم أطلب قال يا بني اما الشعر فيضع الرفيع ويرفع الخسيس واما النحو فاذا بلغ صاحبه الغاية صار مؤدبا واما

الفرائض فاذا بلغ صاحبها فيها الغاية كان معلما واما الحديث فتأتي بركته وخيره عند فناء العمر واما الفقه فللشاب والشيخ وهو سيد العلم. قال الامام ابو بكر البيهقي رضي الله عنه: انما اراد المؤمن الذي قد علم ما يحتاج اليه من علم الاصول واراد بالحديث من كتبه للتحديث فاذا كتبه للاستعمال تعجل نفعه وبالله التوفيق (ورق ۵۱)

خلاصہ روایت یہ ہے کہ فن شعر میں کمال پیدا کیا جائے تو اس کی غایت اس سے زیادہ نہیں کہ بلند کو پست اور پست کو بلند کیجئے، نحو میں مہارت حاصل ہو تو منتہائے کمال یہی ہوگا کہ آدمی "مؤدب" (استاذ ادب) بن جائے، فرائض میں غلو ہو تو معلم ہو جائے، اسی طرح علم الحدیث باوصف خیر و برکت زندگی کے آخری ایام میں مفید ہے البتہ فقہ کی شان سب سے نرالی ہے کہ وہ بوڑھے اور جوان سب کے لیے یکساں مفید اور جملہ علوم میں بڑھ کر ہے،

اس سے بظاہر فقہ کو حدیث پر ترجیح ہوتی ہے، لیکن امام بیہقی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر حدیث کی تحصیل تحدیث کے لیے نہیں بلکہ عمل کے لیے کی جائے تو اس کی منفعت بھی عاجل ہوتی ہے،

---

[1] یہ جملہ غور طلب ہے،

تنبیہ: ص ۶، ۳ کے حاشیہ نمبر ۱ میں حدیث "تودوا تحابوا"؟ کے متعلق امام مسلم بن حجاج کا جو مقولہ نقل کیا گیا ہے اسے عبد الکریم سمعانی کتاب الادب الاملاء والاستملاء میں کتاب المدخل کے راوی ابو المعالی محمد بن اسمٰعیل الفارسی سے روایت کرتے ہیں (ص ۱۳۰، طبع مکس ویسویلر، لائیڈن ۱۹۵۲ء)

مولانائے رومؒ کی سات سو سالہ برسی

از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پیرس

معارف وہ پہلا رسالہ تھا جس نے سال بھر سے زیادہ ہوا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی متوقع سات سو سالہ برسی پر علمی اداروں کی توجہ منعطف کرائی تھی، مولاناؒ ۶ ربیع الاول سنہ ۶۰۴ھ کو بلخ (افغانستان) مین پیدا ہوئے، کچھ عرصہ ایران مین گذارا، پھر ترکی مین سکونت پذیر ہو گئے، اور ۵ جمادی الآخر سنہ ۶۷۲ھ کو بمقام قونیہ وفات پائی، آپ کا مزار اب تک باعثِ برکات و فیوض ہے، کمالی دور کی آندھی جب کچھ تھمی تو حکومت نے اس کے بند دروازے پھر سے کھول دیئے، اور "مولانا میوزیم" کے دیکھنے کے لئے ٹکٹ کے ذریعہ ہزارون امیر و غریب روزانہ اندر جاتے اور لحد مبارک پر فاتحہ پڑھ کر برکت اندوز ہوتے ہین،

معارف مین سال بھر قبل سات سو سالہ برسی کی جانب توجہ دلانے کے باوجود اب تک اس کی جانب کوئی خاص توجہ نہین ہوئی اور اس سے دل پر چوٹ لگی کہ خط کے ذریعہ مکرر توجہ دہانی کے باوجود نہ تو زندہ دلانِ پنجاب کو اس قومی میراث کی خبر لینے کی فرصت ہوئی، اور نہ علی گڑھ کی جامعۂ اسلامیہ اور حیدر آباد اکاڈیمی نے اس کا کوئی جواب دیا، یہ ٹیس اس بنا پر اور بھی بڑھ گئی کہ ان خطوط پر روما، جنیوا، گوٹنگن اور ہائنیس نے فوراً توجہ کی، اور دھوم دھام سے جلسے کر کے اس کا ثبوت دیا کہ رومی مسلمانون کا نہین ان فرنگیون کا مال ہے،
انا للہ وانا الیہ راجعون،

آج چند سطرین پاریس کی تقریب کے متعلق لکھی جاتی ہین، شاید ناظرین کے لئے باعث دلچسپی ہون،
۵ جمادی الآخری سنہ ۱۳۷۲ھ جمعہ ۲۰ فروری سنہ ۱۹۵۳ء کے مطابق ہوتی ہے، یہان مسلمانانِ مقیم

فرانس کی ایک انجمن ہے جس کا نام Centr cultural Islamic ہے، اس نے پاریس مین اس تقریب کے منانے کا اہتمام کیا، اور چند مقامی مسلمان اہل علم کے علاوہ فرنگی مستشرقین کو بھی تقریر کرنے کی دعوت دی اور بفضل خدا بہت شاندار جلسہ ہوا، صدارت انجمن کے ایک ممتاز رکن نجم الدین بمّت (افغانی) نے کی، ایک رکن علی مظاہری (ایرانی) نے حیاتِ رومی پر مقالہ سنایا،

پروفیسر ماسینیون نے "رومی کا حصہ اسلامی تصوف کے ارتقاء مین" پر تقریر کی، پروفیسر فہمی اوزترک) نے "رومی ترکون کے ہان"، اور پروفیسر ماسے صدر کا لجنۂ تعرفیہ و استاذ ادبیات فارسی نے "فرانسیسی ادبیات مین رومی کا ذکر" پر مقالہ پڑھا، عام دلچسپی کے لئے ایک مقالہ "قونیہ کی سیر" پر مادام دیراکوزین نے پڑھا، تمر طاش خانم (ایرانی) نے مثنوی کے اشعار سنائے، ان کا فرانسیسی ترجمہ دیراکوزین نے سنایا، گرمی محفل کے لئے حکایتِ نے "بشنو" سنی گئی، اور ایک مشہور نے نواز نے گراموفون کے ریکارڈ سے لوگون کو محظوظ کیا، سب سے زیادہ مؤثر قرآن مجید کی تلاوت تھی، جس سے پتھر کے دل بھی دہل گئے، ایک لبنانی عالم شیخ صبحی صالح نے موقع کی مناسبت سے "اللہ نور السموات..... الآیۃ" کی تلاوت کچھ اس پر درد لحن سے کی کہ ہفتون گذر جانے کے بعد بھی لوگ اس کا ذکر کرتے اور داد دیتے رہے، آدھی رات کو جلسہ خیر و خوبی سے اختتام کو پہنچا، حاضرین مین کئی سفیر، بہ کثرت اساتذہ، مختلف ملکون کے بہت سے گورے، کالے، سانولے، پیلے سب ہی موجود تھے، جلسہ میوزے گیمے مین ہوا، اس جلسہ گاہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس کی اجازت وزیر اعظم فرانس سے حاصل کرنی پڑتی ہے، مولاناؒ کے متعلق ایک مختصر نمائش بھی فوٹو کے ذریعہ ترتیب دی گئی،

صدر جلسہ نے بتایا کہ مولانائے رومؒ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد مین ہین، اس لئے نسلاً ایرانی بلخ مین پیدا ہوئے، (اس لئے وطناً افغانی) ایران مین پرورش پائی، اور فارسی مین اظہار خیال کیا، اس لحاظ سے ایرانی اور قونیہ رہ پڑے اور وہان وفات پائی، اس کے اعتبار سے ترکی ہین آپ کی تعلیم قرآن مجید کی تفسیر اور

حدیثِ نبوی کی تشریح تھی، ایک سچے مسلمان اور صوفی کی حیثیت سے آپ سارے انسانوں کی میراث اور ساری دنیا کے لئے باعثِ نازش ہیں وغیرہ وغیرہ،

دوسری تقریروں اور مقالوں کا خلاصہ آسان نہیں، تقریریں مختصر اور ٹھوس تھیں، ترکی میں مولانا رح کی ہمیشہ سے جو قدر رہی ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ سلاطینِ آلِ عثمان کی تاج پوشی مولانا کے احفاد ہی میں سے کسی نہ کسی بزرگ کے ہاتھوں سے ہوتی تھی، مثنوی کا ترکی ترجمہ ہر گھر میں رہتا ہے، اور قرآن مجید کے بعد اسی کی سب سے زیادہ تلاوت ہوتی ہے،

جلسے میں بہت سے بیرونی پیام بھی جو موصول ہوئے تھے سنائے گئے، ایک حضرت ولد چلپی کا تھا جو مولانا رح کی اولاد میں سب سے معمر اور سب سے زیادہ محترم بزرگ ہیں، آپ کا دستخطی پیام عربی خط میں بسترِ علالت سے ترکی سے آیا تھا، بلدیۂ قونیہ نے مولانا کے ہمسایوں کے جذبات محبت کے اظہار کیلئے ایک طویل تار بھیجا تھا، قونیہ کے ایک بزرگ نے بھی جو شمس تبریز رح کی اولاد میں ہیں، تار پر پیام بھیجا تھا، ترکی، لبنان، اردن، افغانستان و ایران وغیرہ کے وزراے تعلیم اور اکادمیوں نے اپنی وابستگی کا یقین دلایا،

پاریس ریڈیو نے اس یادگار کے نظام العمل کو نشر کیا، اور سوئٹزرلینڈ کے ریڈیو نے بھی اسے لیکر نشر کیا، گوٹنگن (جرمنی) کے جلسے کی یہ خصوصیت قابلِ ذکر ہے کہ اس کا آغاز ایک جرمن پروفیسر کی فارسی تقریر سے ہوا، وہاں مولانا روم کے خاص عقیدتمند پروفیسر بازانی نے مولانا کے ادبی، صوفیانہ اور دوسرے پہلوؤں پر نہایت سیر حاصل تقریر کی، جو توقع ہے کہ عنقریب وہاں کے رسالہ مستشرقین میں چھپ جائیگی، پاریس کی تقریروں کو بھی یادِ رومی کے نام سے ایک رسالے کے طور پر کیا چھاپنے کی تجویز ہے،

حکیم الامت

مصنفہ:- مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی، قیمت:- [illegible]

[illegible]

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کی ایک جھلک

ڈاکٹر ایس، سی سرکار ایم اے، ڈی فل (آکسن) صدر شعبۂ تاریخ پٹنہ کالج اور پروفیسر کے، کے دت، ایم اے، پی ایچ ڈی، لکچرار پٹنہ کالج نے مل کر ۱۹۳۲ء میں ایک کتاب "ٹکسٹ بک آف ماڈرن انڈین ہسٹری" کے نام سے لکھی تھی، اس کے ایک باب میں عہد مغلیہ کے معاشی حالات بھی قلمبند کیے گئے ہیں، اس باب کا کچھ حصہ ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں،

بابر اور ہمایوں کے زمانے میں ہندوستان کی جو اقتصادی حالت تھی، اس کے متعلق بہت زیادہ معلومات نہیں ملتے، بابر نے اپنی تزک میں ہندوستان کے معاشی حالات کچھ ضرور بیان کیے ہیں، لیکن مورخوں نے اس کے بیان کو صحیح قرار نہیں دیا ہے، گلبدن بیگم کی "ہمایوں نامہ" میں کہیں کہیں چیزوں کی سستی قیمت کا ذکر آیا ہے، مثلاً امرکوٹ میں اکبر کی پیدائش کے موقع پر چار بکرے خریدے گئے تھے تو ان کی کل قیمت ایک روپیہ تھی، شیر شاہ نے بہت سے معاشی اصلاحات جاری کیے، اس کے زمانے میں تجارتی اشیا پر مختلف مقامات پر چنگیاں وصول کی جاتی تھیں، لیکن اس نے ان سب کو موقوف کر دیا، اور صرف دو جگہوں پر محصول عائد کرنے کا حکم جاری کیا، ایک تو سرحدی علاقہ پر، اور دوسرے وہاں جہاں چیزیں فروخت کی جاتی تھیں، اس نے مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے سکوں کو بھی موقوف کر دیا، اور تانبے کے سکے جاری کیے، جو دام کہلاتے تھے،

دام کے نصف، چوتھائی، آٹھوین اور سولھوین حصے بھی ہوتے تھے،

اکبر سے اورنگ زیب کے عہد تک کے معاشی حالات آئین اکبری اور دوسرے معاصر ماخذون کے علاوہ بیرونی سیاحون کے سفرنامون سے بھی معلوم ہوتے ہین، اکبر کے عہد مین دام، پیسہ اور فلوس بدستور سابق قائم رہا، ایک تانبہ کا سکہ وزن مین ایک تولہ آٹھ ماشے، اور سات سرخ ہوتا تھا، اور یہ ایک روپیہ کے چالیسوین حصہ کے برابر سمجھا جاتا تھا، حساب کتاب مین دام کے پچیس جز قرار دیئے جاتے اور ہر جزو جتیل کہلاتا تھا، سلطنت کا تجارتی کاروبار زیادہ تر روپیے اور دام کے ذریعہ سے ہوتا تھا، سکے عموماً بہترین چاندی اور سونے سے بنائے جاتے تھے، اکبر کے عہد مین ایک روپیہ کی شرح انگریزی سکہ کے دو شلنگ اور تین پنس کے برابر ہوتی تھی، ڈی لائی کا بیان ہے کہ ۱۶۳۱ء مین روپیہ کی شرح دو شلنگ سے دو شلنگ نو پنس تک گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، ۱۶۱۶ء تک سرکاری تبادلہ کی شرح کے مطابق چالیس دام کا ایک روپیہ ہوتا تھا، لیکن ۱۶۲۷ء کے بعد سے کبھی تیس دام یا کبھی اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم ہی شرح ہو گئی تھی،

آئین اکبری مین مزدورون کی اجرت کی مفصل فہرست درج ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزدوری بہت زیادہ نہین ہوا کرتی تھی، عام مزدورون کی مزدوری دو دام تھی، یعنی موجودہ سکہ کے لحاظ سے ایک آنے کا ⅕ حصہ، ماہر مزدورون، مثلاً بڑھئی وغیرہ کی مزدوری سات دام یومیہ یعنی آج کل کے حساب سے تین آنے ہوتی تھی، کم مزدوری کی وجہ غلہ کی غیر معمولی ارزانی تھی،

آئین اکبری مین غلہ کی قیمت دی ہوئی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ گیہون ۱۲ دام، آٹا ۲۲ دام، جوار ۱۰ دام، ماش ۱۶ دام، مونگ ۱۸ دام، گھی ۱۰۵ دام، تیل ۸۰ دام، دودھ ۲۵ دام، دہی ۱۸ دام، شکر ۱۲۸ دام فی من فروخت ہوا کرتی تھی،

ترکاریان، مسالے، گوشت، اور جانور بھی بہت سستے ملتے تھے، ایک بھیڑ ڈیڑھ روپیہ مین عام طور سے مل جاتی تھی، ایک من بکری کے گوشت کی قیمت ۶۵ دام ہوتی تھی، ایک گائے دس روپئے مین

بکتی تھی، ٹیری رقمطراز ہے کہ مچھلیان تو اتنی سستی ملتی تھین کہ خریدتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیمت ادا کرنی ہی نہین پڑی، عام طور سے کھانے پینے کی چیزون کی بڑی فراوانی تھی، روٹی کی کبھی کمی محسوس نہین ہوئی، ڈاکٹر اسمتھ کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ ایک مزدور کو اب یعنی انگریزون کے عہد مین جتنا ملا کرتا تھا اس سے کہین زیادہ اس کو اکبر اور جہانگیر کے زمانے مین ملتا تھا،

بڑے شہرون مین خوشحالی اور چیزون کی فراوانی تھی، شیر شاہ اور اسلام شاہ کے عہد مین لاہور ایک بڑا اور خوشحال شہر تھا، یہان تجارت کی ایک بڑی منڈی تھی، جہان مفید اور قیمتی سے قیمتی اشیاء آسانی سے دستیاب ہو جایا کرتی تھین، فچ نے ۱۵۸۵ء مین لکھا تھا کہ آگرہ اور فتح پور دو بہت بڑے شہر ہین، یہ دونون لندن سے زیادہ بڑے اور آباد ہین، آگرہ اور فتح پور کا فاصلہ بارہ میل تھا، لیکن دونون شہرون کے درمیان خورد و نوش کی چیزین اس طرح ملتی تھین جس سے دونون ایک ہی شہر معلوم ہوتے تھے، اور تمام راستون پر آدمیون کی بھیڑ بازار ہی کی طرح ہوتی تھی، ٹیری لکھتا ہے کہ پنجاب ایک بڑا زرخیز صوبہ ہے، اس کا خاص شہر لاہور ہے، جہان آبادی اور دولت کی کثرت ہے، ہندوستان کے اہم تجارتی شہرون مین شمار ہوتا ہے، مونسٹر رقمطراز ہے کہ لاہور یورپ اور ایشیا کے کسی شہر سے فروتر نہین، یہان کی دکانون مین ہر قسم کی چیزین مل جاتی ہین، اور اس کی سڑکین، راہگیرون سے ہمیشہ بھری رہتی ہین، برہان پور اور خاندیس بھی بہت متمول اور آباد شہر تھے،

ابوالفضل نے احمد آباد کی بڑی تعریف لکھی ہے کہ یہ شہر اپنی آب و ہوا اور صناعی کی وجہ سے تمام عالم مین اپنی نظیر نہین رکھتا،

کابل بھی تجارت کا ایک اہم مرکز تھا، ہندوستان، ایران اور تاتار کے تجار یہان آکر جمع ہوا کرتے تھے، شیر شاہ نے بعض ایسی سڑکین بنوائی تھین، جن سے اہم فوجی مقامات ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئے، یہ سڑکین تو پختہ نہین، لیکن زیادہ تر کچی تھین، سڑکون کے دونون طرف سایہ دار درخت لگے ہوتے تھے،

اور جا بجا سرائین بنادی گئی تھین، جہان مسافر اطمینان سے رات بسر کر سکتے تھے،

سندھ، گنگا اور جمنا کے دریاؤن مین تجارتی جہاز برابر آتے جاتے رہتے تھے، بنگال کی تجارت تو زیادہ تر وہان کے دریاؤن ہی کے ذریعہ ہوا کرتی تھی، دریاؤن پر مستقل پل نہین بنائے گئے تھے، اکبری عہد مین منعم خان نے جونپور مین البتہ ایک پل بنایا تھا، ورنہ عام طور سے دریاؤن کو کشتیون کے ذریعہ سے عبور کیا جاتا تھا،

شمالی ہند مین جن جن چیزون کی کاشت ہوا کرتی تھی، ان کے نام ابوالفضل نے یہ لکھے ہین، چاول، گیہون، جو، باجرا، دال، گنا، روئی، پٹ سن، نیل، افیون، سرسون، پان اور سنگھاڑے وغیرہ، بنگال کی پیداوار زیادہ تر چاول تھی، دکن مین جوار اور روئی ہوتی، جنوبی ہند مین بھی چاول اور باجرہ ہوتا، بنگال سے شکر ہندوستان کے مختلف حصون مین بھیجی جاتی، نیل کی پیداوار آگرہ کے پاس بیانہ اور گجرات مین سرکھیج مین ہوتی، پل سائرے کا بیان ہے کہ جمنا کی وادی اور وسط ہند مین بھی نیل کی کاشت بڑے پیمانے پر ہوتی، ان اطراف کے تمام گاؤن مین نیل ہی پیدا کیا جاتا، جن سے مختلف چیزین بھی تیار کی جاتی تھین، نیل کی غیر معمولی کاشت کی وجہ سے ان علاقون مین غلہ کم پیدا ہوتا، یہ کمی دوسرے صوبون سے غلہ منگوا کر پوری کی جاتی، ہندوستان مین چائے کا رواج ۱۶۰۴ء کے آخر یا ۱۶۰۵ء کے آغاز مین ہوا، اور اسی کے بعد اس کی کھیتی بھی یہان شروع ہوئی، کھیت جوتنے کے اوزار وہی تھے، جو آج کل عام طور سے مروج ہین،

حکومت نے صنعت و حرفت کو فروغ دینے مین اپنی پوری سرپرستی جاری رکھی، شاہی کارخانون مین مختلف قسم کے کپڑے تیار کیے جاتے تھے، آئین اکبری مین ان ریشمی اور سوتی کپڑون کی طویل فہرست دی ہوئی ہے، جن کو اکبر نے خاص طور پر تیار کرایا، اس نے کشمیری شال کے مختلف نمونے بنوائے، یہ شال زیادہ تر لاہور اور کشمیر مین تیار ہوتی تھی، عہد اکبری مین اچھے سوتی کپڑے بنین دگجرات، اور برہان پور

(خانہ فیس) مین بنے جاتے تھے، ڈھاکہ کے پاس سنار گاؤن مین ایسا ململ تیار ہوتا تھا کہ ہندوستان مین اس سے زیادہ بہتر اور نہین کوئی اور سوتی کپڑا نہین بنا جاتا تھا، پل سائرے رقمطراز ہے کہ چاپس پور اور سنار گاؤن کے تمام باشندے کپڑے ہی بنا کرتے تھے، اور ان کے بنے ہوئے کپڑون کی بڑی شہرت تھی، اس کا یہ بھی بیان ہے کہ اڑیسہ سے مشرقی بنگال تک کا پورا علاقہ گویا سوتی کپڑے کا ایک عظیم الشان کارخانہ معلوم ہوتا تھا، تمام گھرون مین یا تو چرخے چلتے یا سوت کاتے جاتے، یا خانگی ضرورت اور بیرونی برآمد کے لیے عمدہ کپڑے تیار کیے جاتے، میز پوش، پلنگ پوش، اور دوسری خوبصورت چیزین بھی بنی جاتی تھین، رچ کا بیان ہے کہ بنارس مین سوتی کپڑون کی بہت بڑی منڈی تھی، پل سائرے نے بنارس ہی مین اعلیٰ قسم کے کمربند، پگڑیان اور سایا دیکھی تھین، جونپور سے بھی اچھے کپڑے باہر بھیجے جاتے تھے،

رنگ سازی کی صنعت کو بھی بڑا فروغ حاصل تھا، ٹیری لکھتا ہے کہ موٹے سوتی کپڑے عموماً رنگے ہوتے تھے، اور بعض کپڑون پر طرح طرح کے پھول بنے رہتے تھے، جو بار بار دھلنے کے بعد بھی ویسے ہی قائم رہتے تھے، ہندوستان کی چھینٹین یورپ مین بہت مقبول تھین، اس لیے اکبر کے بعد اس قسم کے کپڑے اور بھی زیادہ تیار ہونے لگے، بنگال کے ضلع رنگ پور مین پٹ سن سے خاص قسم کے کپڑے بنے جاتے تھے، ریشمی کپڑے مغلون کے زمانے سے تیار ہونے لگے، اکبر نے اس صنعت کو ترقی دینے مین جو سرپرستی کی، اسکی تفصیل ابوالفضل نے لکھی ہے، مورلینڈ نے ٹورنیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سترھوین صدی کے وسط مین بنگال مین ۲۵ لاکھ پونڈ ریشم تیار ہوتا تھا، جس مین سے دس لاکھ پونڈ تو صوبہ ہی مین خرچ ہو جاتا، ڈھائی لاکھ پونڈ ولندیزی خرید کر باہر بھیجتے، اور ڈھائی لاکھ ہندوستان کے مختلف حصون مین تقسیم کیا جاتا، اور بقیہ وسط ایشیا کے سوداگر لے جاتے،

جہاز سازی کی صنعت بھی برقرار تھی، ہندوستان مین بنے ہوئے جہازون کو فرنگی بھی اپنے تجارتی اور حربی مصرف مین لاتے تھے، ان صنعتون کے علاوہ بعض خاص خاص چیزین بھی بنا کرتی تھین، مثلاً بکس،

ٹرنک، قلمدان، قالین وغیرہ، بل ساگرہ کا بیان ہو کہ ڈرافٹ بورڈ، اور قلمدانوں پر ہاتھی کے دانت اور آبنوس کی بڑی حسین نقش کاری ہوتی تھی، ایسی چیزیں گوا اور دوسرے ساحلی شہروں سے بکثرت باہر بھیجی جاتی تھیں،

سولھوین صدی مین ہندوستان کی بیرونی تجارت کو بھی بڑا فروغ ہوا، یہان یورپ اور ایشیا کے مختلف ممالک سے بہت سی قیمتی چیزین آیا کرتی تھین اور یہان سے بھی مختلف اشیا باہر جاتی تھین، درآمد مین زیادہ تر سونا، چاندی، تانبا، ٹین، جستہ، سیسہ، قیمتی پتھر، ململ، زربفت، عطر، دوائین، اور چینی کے برتن ہوتے، بیرونی تاجرون کو زیادہ محصول دینا نہین پڑتا، لیکن وہ چاندی ملک سے باہر نہین لے جاسکتے تھے، اس کی سخت ممانعت تھی، سورت مین درآمد اور برآمد کی چیزون پر ۲½ فی صدی اور سونے اور چاندی پر ۲ فیصدی محصول تھا، ہندوستان جو چیزین برآمد کرتا ان مین زیادہ تر سوتی کپڑے، گول مرچ، مسالے، تیل، افیون اور خاص خاص قسم کی دوائین ہوتین، اس زمانہ کی مشہور بندرگاہون کے نام یہ تھے لاہوری بندر (سندھ)، کھمبایت، سورت، بروچ، بسین، چول، دابل (ضلع رتناگری)، گوا، بھٹکل، کالی کٹ، کوچین، ناگاپٹم، مسولی پٹم، ست گاؤن، ہری پور، چاٹگانگ اور سنار گاؤن، بنگال کی بندرگاہون مین سب سے اہم چاٹگانگ کی بندرگاہ تھی، ٹیلر نے اس کے لئے Porto Grande کی اصطلاح استعمال کی ہے،

"ص ع"

کیا بنگالی زبان پر سنسکرت کا اثر نہیں ہے؟

مشرقی بنگال کے اردو اور بنگالی کے قضیے مین وہان کے لوگ اس حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہین ہین کہ بنگالی زبان پر سنسکرت کے اثرات کا غلبہ ہے، لیکن حقیقت نہین بدلی جاسکتی، ۱۹۱۱ء مین دی انسائکلوپیڈیا برٹانیکا مین بنگالی زبان پر جو مقالہ شایع ہوا تھا اس کا تھوڑا سا اقتباس ہم ذیل مین پیش کرتے ہین تاکہ ناظرین کو اس حقیقت کا اندازہ ہو جائے،

بنگالی زبان بنگال اور آسام مین بولی جاتی ہے، لفظ بنگالی تو انگریزی لفظ ہے، لیکن بنگال کے باشندے اس زبان کو بنگا بھاشا کہتے ہین، بنگالی، اڑیا اور آسامی یہ تینون زبانین مگدھی پراکرت سے نکلی ہین، جو بہار کے جنوبی حصے مین بولی جاتی تھی، مگدھی پراکرت بہار سے جنوب کی طرف پھیلی، تو اڑیا بن گئی، اور جنوب مشرق کی جانب جاکر بنگالی ہو گئی، اور مشرق کی طرف شمالی بنگال ہو کر آسام پہنچی تو آسامی کہلانے لگی، تینون زبانین ایک ہی زبان کی مختلف شکلین ہین، اس لئے ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہین،

بنگالی زبان خصوصاً اس کی علمی اور ادبی زبان مین تت سما کے بڑے اثرات ہین، یعنی اس مین سنسکرت کے الفاظ کا بڑا غلبہ ہے، اور اب ایک تعلیم یافتہ بنگالی ان ہی الفاظ کو عام طور سے بولتا ہے اور یہ غلط قسم کا ذوق اس قدر بڑھ گیا ہے کہ علمی اور ادبی تحریرون مین جب خالص بنگالی الفاظ (تدبھوا) استعمال کیے جاتے ہین تو وہ اصلی شکل مین لکھے نہین جاتے، بلکہ تت سما یعنی سنسکرت کے الفاظ لکھے جاتے ہین، اور تدبھوا یعنی خالص بنگالی الفاظ کے بجے مین پڑھے جاتے ہین، مثلاً دولت کی دیوی کے لئے خالص بنگالی لفظ "لکھی" ہے، لیکن کتابون مین ہمیشہ سنسکرت کا لفظ "لکشمی" لکھا جائے گا، اور پڑھتے وقت "لکشمی" کے بجائے "لکھی" پڑھا جائے گا، سنسکرت کے لفظ "لکشمی" کو ایک بنگالی مشکل سے ادا کر سکے گا، لیکن تحریر مین وہ یہی لفظ لکھنے کی کوشش کرے گا، اس لئے بنگالی الفاظ کے ہجے اور تلفظ مین بڑا فرق ہوتا ہے،

بنگالی زبان کا قدیم ترین اہل قلم چنڈی داس ہے، جس کو وشنو کا شاعر کہا جاتا ہے، اس کا زمانہ چودھوین صدی کے آخر اور پندرھوین صدی کے شروع کا تھا، اس کی زبان موجودہ دور کی بنگالی زبان سے زیادہ مختلف نہین، اس نے اپنے اردگرد ایسے شعراء کی ایک جماعت تیار کی جو کرتن کے لیے گیت

لکھا کرتے تھے، ان ہی شعراء کی وجہ سے بنگال مین مذہبی تجدید ہوئی، جس کی ابتدا سولھوین صدی مین جیتنیا نے کی، پندرہوین صدی مین کاشی رام نے اس زبان مین مہابھارت کا ترجمہ کیا، اور کرتی باس اوجھا نے اس زبان مین راماین کو منتقل کیا، سترہوین صدی کا سب سے اہم اہل قلم مکندرام تھا، جس نے دو بڑی ہی اچھی نظمین "چندی" اور "سری مانت سوداگر" لکھی ہے، اٹھارہوین صدی مین بھارت چندر نے مرصع زبان مین "بِدیا سندر" لکھی جس کی بڑی تعریف کی گئی ہے، بھارت چندر کے بعد پرانے طرز کے لکھنے والون کا دور ختم ہو جاتا ہے، یہ اہل قلم خالص بنگالی زبان مین لکھا کرتے تھے، لیکن انیسوین صدی سے سنسکرت زبان کے اثرات غالب ہونے لگے، اور جب فورٹ ولیم کالج مین سنسکرت کی سرپرستی شروع ہوئی تو یہ اثرات اور بھی زیادہ ہوگئے، اور انیسوین صدی کے دور مین بنگالی زبان سنسکرت کی کنیز ہوتی گئی،

اس صدی مین بعض بہت ہی اچھے اہل قلم پیدا ہوئے، خصوصاً بنکم چٹرجی کے ناول تو اس قدر مقبول ہوئے کہ مختلف زبانون مین اس کے ترجمے بھی کیے گئے، لیکن وہ بھی سنسکرت کے نامانوس الفاظ استعمال کرنے پر مجبور رہا، یورپین ارباب نظر کا خیال ہے کہ اس زبان مین اعلیٰ قسم کی کتاب اس وقت تک نہین لکھی جا سکتی جب تک اس کو قدیم سنسکرت کے اثرات سے پاک وصاف نہ کیا جائے گا،

"ص ع"

نواے حیات

از جناب یحییٰ اعظمی

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعۂ کلام نواے حیات جس سے ناظرین معارف اور دوسرے اصحاب ذوق پوری طرح واقف ہین، دوبارہ چھپ گیا ہے، اس ایڈیشن مین بہت سی نئی غزلین اور نظمون کا اضافہ ہے اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہوگیا ہے، اس کے شروع مین مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے قلم فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک مختصر سی تقریظ ہے جو بجائے خود قابل مطالعہ ہے،

قیمت مجلد: عہ غیر مجلد: ہے

منیجر

ادبیات

غزل

از جناب شفیق جونپوری

ہائے رے وقت بشر یون بھی نہ مجبور ہوا
گھر مین خود آگ لگا کر کوئی مسرور ہوا

جور بیجا ترا پیشہ ترا دستور ہوا
تب غریب الوطنی پہ کوئی مجبور ہوا

آج یہ کہہ کے روانہ دلِ رنجور ہوا
پھر ملین گے اگر اللہ کو منظور ہوا

پوچھتے کیا ہو کہ آزار جنون دور ہوا
جب تمھین سے نہ علاجِ دلِ رنجور ہوا

عشق کی خانہ خرابی بھی شرف رکھتی ہے
ایک دیوانہ اور آفاق مین مشہور ہوا

کم نہ تھا ناز محبت ترے دیوانے کا
تو نے دی داد وفا اور بھی مغرور ہوا

اٹھ گیا پیر مغان کون پیے اے ساقی
رند بے کیف ہوئے میکدہ بے نور ہوا

حق پہ مٹنے کے لیے کتنون نے جانبازی کی
ان کے معیار پہ کوئی بھی نہ منصور ہوا

اب کے کچھ ایسے پریشان رہے اہل چمن
پھول کا ذکر نہ کانٹون ہی کا مذکور ہوا

اپنی ہی فکر مین ہر رند ہے معلوم نہین
کس پہ کتنا اثر نرگس مخمور ہوا

اجنبی لوگ ہین پردیس مین کس سے پوچھون
کیا مرے بعد مآلِ دلِ مجبور ہوا

جن عنادل کے ترانے سے چمن گونجا تھا
وہ غریب آج نشیمن سے بہت دور ہوا

تو نے اے دوست بتائی ہے جو تدبیر علاج — اور بیمار کا دل درد سے معمور ہوا

تیری تصویر نے ملحد کو بنایا مومن — کہ تجھے دیکھ کے وہ معترفِ حور ہوا

ٹکڑے ہو جائے اگر دل تو نہ کر غم کر شفیق

کام آیا ہے یہ آئینہ جان چور ہوا

غزل

از جناب عارف عباسی بلیادی

مجھ کو ہر غم سے ہو گئی ہے نجات — تیرے غم کے یہ فیض یہ برکات

کون آواز دے رہا ہے مجھے — کانپ اٹھی ہے نبضِ محسوسات

موت سے پہلے مر کے دیکھ ذرا — خود تجھے ڈھونڈتی پھرے گی حیات

وہ ترا ذکر اور تیری فکر — ہائے وہ صبح و شام وہ دن رات

اس طرح سے برس پڑے آنسو — جیسے پھر اب نہ آئے گی برسات

غلط انداز اک نگاہِ جمال — کر گئی آشنائے رازِ حیات

کون سمجھائے جز لبِ خاموش — حسن کو عشق کے رموز و نکات

موت جب اصل زندگی ٹھہری — کیوں کرے کوئی آرزوئے حیات

تیرے اشعار ان دنوں عارف

کچھ احادیث ہیں تو کچھ آیات

زوالِ محبت

از جناب ولی کاکوری

عشق کی آگ سرد ہے، لطفِ شباب اب کہاں — ذوقِ حیات اب کہاں، لذتِ خواب اب کہاں

گفت و شنید بند ہے، ختم ہے نامہ و پیام — لطفِ سوال اب کہاں، حسنِ جواب اب کہاں

بزمِ طرب اداس ہے، خواب و خیال ہے سرور — گردشِ جام اب کہاں، دورِ شراب اب کہاں

درد کا ذوق بھی نہیں، گریۂ شوق بھی نہیں — سوزِ دل و جگر کہاں، چشمِ پُر آب اب کہاں

بحرِ نشاط ہے سراب، کچھ نہیں اس میں پیچ و تاب — ایک سکون ہے مضمحل، موج و حباب اب کہاں

میرے لیے الٹ گئی، ان کی بساطِ دلبری — ناز و غرور اب کہاں، خشم و عتاب اب کہاں

مدرسۂ نیاز کا، بھول چکا ہوں میں سبق — درسِ قضا اب کہاں، شرحِ کتاب اب کہاں

دل میں وہ اب خلش نہیں، درد نہیں، تپش نہیں — عشق کا ہوش اب کہاں، حسن کی تاب اب کہاں

عشق کو مجھ سے تھا عروج حسن کو مجھ سے تھا فروغ

مجھ سا جہان میں اے ولی، خانہ خراب اب کہاں

مطبوعات دار المصنفین کا رعایتی اعلان

سیرت النبی تقطیع کلان کی قیمتوں مین غیر معمولی رعایت

دار المصنفین نے اب تک اپنی مطبوعات کی رعایتی قیمت کا کوئی اعلان نہین کیا ہو، لیکن اس سال بعض حالات و اسباب کی بنا پر یکم رمضان سے تین مہینہ کیلئے یہ رعایتی اعلان کیا جا رہا ہو، اس کا ایک خاص سبب تو یہ ہو کہ کچھ عرصہ سے پاکستان کی تجارت بند ہونیکی وجہ سے ہماری مالی حالت بہت کمزور ہو گئی ہے اور اسکی طرف ہندوستان کے مسلمانون کو جو ہماری کتابین پڑھنے سے تقریباً بے نیاز ہو گئے ہین، توجہ دلانا ضروری ہے،

دوسری وجہ یہ ہو کہ سیرت النبی تقطیع کلان (جلد سوم تا ششم) کے کافی نسخے ہمارے اسٹاک مین موجود ہین، اور یہ نسخے اپنی ظاہری خصوصیات کے لحاظ سے دار المصنفین کے گذشتہ دور کی یادگار اور اعلیٰ کاغذ اور پاکیزہ طباعت و کتابت کے ان تمام محاسن سے معمور ہین، جو معارف پریس کا خاص امتیاز رہا ہے،

ان خصوصیات کے لحاظ سے ان کی قیمتین یون بھی کچھ زیادہ نہ تھین، لیکن اب ان مین بھی تقریباً ۳۳ فیصدی تخفیف کر دی گئی ہے، سیرت کے علاوہ بعض دیگر مطبوعات مین غیر معمولی رعایت کی جا رہی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے، امید ہو کہ اہل ذوق حضرات اس رعایت سے فائدہ اٹھا کر اپنی فرمائشین جلد سے جلد بھیجنے کی کوشش کرین گے، تاکہ یکم رمضان سے ان کی تعمیل شروع کر دی جائے،

کتاب	صفحے	سابقہ قیمت ہے	موجودہ رعایتی قیمت ہے
سیرت النبی تقطیع کلان سوم	۵۹۶		
″ ″ چہارم	۶۷۲	عـہ ر	معـہ ر
″ ″ پنجم	۳۶۸	معـہ ر	للعہ ر
″ ″ ششم	۶۱۲	لعہ ر	سے ر
نمو انسانی	۱۹۰	قا ر	عہ تہ ر
مبادی علم انسانی	۱۳۶	عہ تہ ر	۱۲ ر
مکالمات برکلے	۱۴۸	عہ ر	۱۰ ر
افکار عصریہ	۲۵۰	قا ہ ر	عہ ۱۰ ر
برکلے	۱۲۶	تہ ر	۱۲ ر

نوٹ :- حصہ اول و دوم تقطیع کلان موجود نہین ہے، تقطیع خورد موجود ہے،

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

مطبوعات جدیدہ

خاتم النبیین، از جناب مولوی سید جلال الدین صاحب جعفری، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۵۵ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد سے، پتہ :- جعفری برادرس مالک انوار احمدی پریس نمبر ۳۸ شاہ گنج الہ آباد،

سیرت نبوی پر اب اردو مین اتنا وافر اور مستند ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے کہ اس کی مدد سے آسانی کے ساتھ نئی سیرتین لکھی جا سکتی ہین، خاتم النبیین بھی اسی قسم کی سیرت ہے، جو تمامتر علامہ شبلی مرحوم کی سیرت نبوی کے پہلے اور دوسرے حصہ سے ماخوذ ہے، کہین کہین قاضی سلیمان صاحب مرحوم منصورپوری کی رحمۃ للعالمین سے بھی مدد لی گئی ہے، تصنیف و تالیف اور علم و ادب مین ایک دوسرے سے استفادہ مین کوئی حرج نہین ہے یہ ہوتا چلا آیا ہے، مگر اولاً اس کا حوالہ ضروری ہے، دوسرے استفادہ محض استفادہ کی حد تک ہونا چاہیئے، یہ نہین کہ پوری کتاب کا خلاصہ کر کے اس کو اپنا لیا جائے، مصنف خاتم النبیین نے پوری سیرت النبی کا خلاصہ کر دیا ہے، اور کہین حوالہ تک نہین دیا، اگر یہ استفادہ ہے تو سرقہ کسے کہتے ہین، اور اس کتاب کے آخر مین ان کی دوسری تصانیف کا جو اشتہار درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے تنہا سیرت ہی نہین بلکہ دار المصنفین کے سلسلہ سیر الصحابہ اور تابعین سے بھی اسی قسم کا استفادہ کیا ہے، اور ان کا خلاصہ کر کے نام بدل دیئے ہین، یہ کتابین میری نظر سے نہین گذری ہین، اس لئے مین نے مصنف سے لکھ کر دریافت کیا کہ معلوم نہین آپنے ان مین دار المصنفین کی کتابون پر کیا اضافہ فرمایا ہے، دوسرے سوال کا مطلب سمجھ گئے اور جواب مین لکھا کہ مین نے مولانا سید سلیمان ندوی سے اسکی اجازت لے لی تھی، اور اس سے مقصود دنیاوی منفعت نہین

بلکہ دینی خدمت ہے، مجھے یقین تھا کہ موصوف پوری کتاب کی تلخیص کی اجازت نہیں دے سکتے تھے، زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہوگی، چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے اس سے بالکل لاعلمی ظاہر کی، بہرحال اگر بالفرض انھوں نے اجازت دی بھی ہوگی تو دارالمصنفین کی کتابوں سے جزوی استفادہ کی اور اس میں اور پوری کتاب کی تلخیص میں بڑا فرق ہے، لطف یہ ہے کہ اس علمی سرقہ کا نام مصنف نے دینی خدمت رکھا ہے، حیرت ہوتی ہے کہ اس قسم کے خدام دین کو اس قسم کی جرأت کرتے وقت اس کا خطرہ بھی نہیں گذرتا کہ کسی نہ کسی دن ان کی اس خدمتِ دین کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی، بہرحال چونکہ یہ کتاب سیرت نبوی صلعم کا خلاصہ ہے، اس لئے اس کے مفید اور مستند ہونے میں شبہہ نہیں ہے،

قرآن اور تعمیر سیرت: - از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۴ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت غیر مجلد صر مجلد سے پتہ: - ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی،

دین و دنیا دونوں میں سکون و طمانیت اور سعادت و کامرانی کا سب سے بڑا ذریعہ نفس مطمئنہ ہے اور نہ صرف مذہبی عقیدہ بلکہ نفسیاتی اصول سے بھی اس کے حصول کا ذریعہ صحیح مذہبی روح خدا پر توکل و اعتماد اور اس کی خوشنودی اور رضا کی طلب ہے، اس سے انسان ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز اور اس کے لئے ہر قسم کے مشکلات و مصائب اور رنج و غم کا مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے، مخالف سے مخالف حالات بھی اسے مایوس اور شکستہ خاطر نہیں کر سکتے، اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اس کے لئے ہر قربانی آسان ہو جاتی ہے، اور یہی چیز دین و دنیا دونوں میں سعادت و کامرانی کا ذریعہ ہے، انسان کی فطرت اور قوانینِ قدرت کبھی نہیں بدلتے، وہ جیسے آج سے ہزاروں برس پہلے تھے، ویسے ہی آج بھی ہیں، اس لئے انسانی فطرت کی اصلاح و تعمیر کا جو نسخہ آج سے تیرہ سو سال پہلے کامیاب ہو چکا ہے، کوئی وجہ نہیں کہ وہ اب کامیاب نہ ہو، اس لئے اگر آج بھی مسلمانوں کی سیرت اسی قالب میں ڈھل جائے جس قالب میں صحابہ کرامؓ اور صلحاء و اخیار امت کی سیرت

ڈھلی تھی، اور ان کی زندگی صبغۃ اللہ میں رنگ جائے تو اس کے نتائج آج بھی وہی نکلیں گے جو اس سے پہلے نکل چکے ہیں، میر ولی الدین صاحب نے اسی نقطۂ نظر سے قرآنی اصولوں کے مطابق مسلمانوں کی سیرت کی تعمیر پر مضامین کا ایک سلسلہ لکھا تھا جو معارف اور دوسرے رسالوں میں چھپکر مقبول ہو چکا ہے، اب ندوۃ المصنفین نے اسکو کتابی شکل میں شایع کر دیا ہے، اس مجموعے میں حسب ذیل مضامین ہیں، عبادت و استعانت، توحید الوہیت صالحیت، نیکی علم ہے، تعلیم کا مقصد، انسان کامل، امام غزالی کا فلسفۂ مذہب، تصحیح تفکر، قانون تجاذب اور تعمیر سیرت، قرآن اور سیرت سازی، قوتِ ایمانی اور ظہورِ غیب، ماحول پر کس طرح قابو حاصل کیا جائے، کامیاب زندگی کا قرآنی تصور، قرآن اور علاجِ خوف، بے خوف زندگی، قرآن اور علاجِ حزن، زندگی میں غم کیوں ہے، قرآن اور علاجِ غضب، دعا اور دفع بلا، اسرار حج، ڈاکٹر صاحب کے اندازِ نگارش سے جو لوگ واقف ہیں ان کو اس کا اندازہ ہوگا کہ ان کے مضامین جدید فلسفہ و نفسیات، قرآن مجید و احادیث نبوی، صلحاء و اخیار امت کے اقوال و تجربات وغیرہ سے مرکب ایک نئے متکلمانہ انداز کے ہوتے ہیں، یہی طرز ان مضامین کا بھی ہے، اس لئے وہ عقل و نقل دونوں حیثیتوں سے موثر و دلنشین اور جدید و قدیم دونوں طبقوں کے لئے قابلِ قبول ہیں بلکہ ہر مسلم بھی ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ان مضامین کی خوبی کا پورا اندازہ ان کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اور وہ اپنی اخلاقی و روحانی فوائد کے لحاظ سے ہر تعلیم یافتہ شخص کے مطالعہ کے لائق ہے،

تصوف کیا ہے؟ مرتبہ جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۶؍ پتہ: - دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ،

آج کل تصوف کے بارہ میں بڑی افراط و تفریط پائی جاتی ہے، ایک طبقہ جو تصوف کی حقیقت سے ناآشنا ہے وہ اس کے غلط نمونوں کو دیکھ کر سرے سے اس کا مخالف و منکر ہے، دوسرا خوش عقیدہ گروہ خانقاہی بدعات و خرافات کو تصوف سمجھتا ہے، کچھ لوگ تصوف کے تو منکر نہیں ہیں، لیکن ان کو ان کے بعض اعمال و اشغال کے متعلق شکوک و شبہات ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور مولانا محمد اویس صاحب نگرامی نے

جو شریعت و طریقت دونوں کے جامع اور دین کے صحیح علم کے ساتھ بادۂ عرفان کے بھی ذوق شناس ہیں تصوف کے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ اور اسکی حقیقت پر مختلف مضامین لکھے تھے جن میں سے بعض مضامین الفرقان میں بھی شایع ہو چکے ہیں، اب ان کو کتابی شکل میں شایع کر دیا ہے، اس مجموعہ میں حسب ذیل مضامین ہیں، تصوف پر ابتدائی غور اور تجربہ، تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق میرے چند یقین، تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق بعض شبہات، تصوف اور احسان کے طالبوں کو چند مشورے، مولانا منظور صاحب نعمانی تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق شکوک و شبہات کا جواب، یقین اور اس کے ثمرات، تصوف اور شیخین امام ابن تیمیہ اور ابن قیم، مولانا محمد اویس نگرامی اہل تصوف و ریذی جد و جہد، ان مضامین سے تصوف کے متعلق تمام شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں، اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح تصوف روح شریعت ہے، اس لئے یہ مجموعہ تصوف کے قائلین، منکرین، اور متشککین سب کے پڑھنے کے لائق ہے،

مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کے نصاب مرتبہ جماعت اسلامی، پتہ مکتبہ جماعت اسلامی رامپور، مرتبہ جمعیۃ العلماء، پتہ الجمعیۃ بکڈپو گلی قاسم جان دہلی، مرتبہ بیگم ویلوری، پتہ وسوا اینڈ کمپنی کرشنا بلڈنگ مقابل میسو بنک ادینو روڈ بنگلور،

مسلمان بچوں کی ابتدائی مذہبی تعلیم کے متعدد پرانے نصاب موجود ہیں، ان میں انجمن حمایت اسلام لاہور اور مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم کے رسالے بہت مشہور و مقبول تھے مگر یہ خالص دینی ہیں اور اب ضرورت ابتدائی تعلیم کے پورے نصاب کی ہے اس ضرورت کے پیش نظر جماعت اسلامی اور جمعیۃ العلماء نے نئے نصاب مرتب کئے ہیں، مگر جمعیۃ کا مرتب کردہ نصاب زیادہ تر مذہبی ہے وہ صرف اسی مقصد کیلئے مفید ہے، البتہ جماعت اسلامی کے نصاب میں مذہبی تعلیم کیساتھ ریاضی تاریخ جغرافیہ اور عام معلومات وغیرہ جملہ تعلیمی ضروریات کا لحاظ اور ان فنون میں بھی اسلامی روح کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اس لئے تعلیمی نقطۂ نظر سے جماعت اسلامی کا نصاب بہت اچھا ہے، اس سے جملہ تعلیمی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں، اس لئے بچوں کی ابتدائی تعلیم میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، ایک نصاب ویلور کی ایک خاتون بیگم مولانا مسلم ویلوری نے مرتب کیا ہے، مگر یہ بھی زیادہ تر مذہبی و اخلاقی تعلیم کیلئے ہے، اس حیثیت سے غنیمت ہے، ان سب کے پتے اوپر درج ہیں،

جلد ۷۰ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۵۳ء عدد ۶

مضامین

مقالات

ادبیات